امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، حکایات اہل دل
■ حالات پر نظر رکھئے
■ اپنے رشتوں کی قدر کیجئے
■ ظاہر دری خدا کے یہاں نہیں چلتی
■ یاد رکھئے کہ بچے ہماری رعایا ہیں
■ سیکولر جمہوری اداروں میں ہمارا مطلوبہ کردار
■ اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ، طب وصحت

جلد نمبر 63/73 — مورخہ ۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۵ رمئی ۲۰۲۳ء روز سوموار — شمارہ نمبر 18

حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام

قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ سابق نائب امیر شریعت وقاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک. ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک) (حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حاضر ہوں۔ بیشک سبھی تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں)۔

یہ ہے توحید کا وہ نغمہ جو دل مومن سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت کو کھینچ لاتا ہے۔ ایک ذلیل بھاگا ہوا غلام، کائنات کے کسی گوشے میں راہ فرار نہیں پاتا اور اپنی عاجزی کے گہرے احساس کے ساتھ مالک الملک کی عنایتوں اور کرم فرمائیوں کے اعتراف کے ساتھ ہر دروازہ سے مایوس ہوکر، ہر مادی قوت سے رشتہ توڑ کر، اپنا ہوش کھوکر، بے خودی اور عشق، کیف اور مستی کے والہانہ جذبات کے ساتھ اپنے رب کے حضور اس شان کے ساتھ آتا ہے کہ اسے نہ اپنے کپڑوں کا ہوش ہے اور نہ اپنے بالوں کا گرد وغبار سے اٹا ہوا یہ چہرہ جو اپنی ساری حیثیتوں کو فراموش کر کے محبوب کے دروازہ پر پہنچ کر اپنی حاضری کا اعلان کرتا ہے، اپنے مالک کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، روتا ہے، رلاتا ہے، کبھی عرفات میں حمد وثنا کرتا ہوا اپنی کوتاہی کی معافی چاہتا ہے، مزدلفہ میں قرب الٰہی کا خواہاں ہے، جمرات کو نہیں، نفس کے شیطان کو کنکریاں مارتا ہے، جانور نہیں، حقیقتاً اپنے نفس کی قربانی دیتا ہے، صفا ومروہ کے درمیان دوڑ کر سنت عاشقان کو تازہ کرتا ہے اور اس یقین کے ساتھ آتا ہے کہ اس در کے علاوہ کوئی در نہیں اور یہ رحمان کا دروازہ ہے، ہم ہزار بُرے ہوں لیکن ہمارے گناہوں سے زیادہ وسیع اس کی رحمت کی چادر ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر عدل پر اتر آئے تو ہماری نجات ممکن نہیں ہے، اس لئے گھبرا کر کہتا ہے مالک! ہمیں آپ کا عدل نہیں، آپ کا فضل چاہئے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کا ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ حساب شروع ہوا تو بہر حال پکڑے جائیں گے، اس لئے پکار کر کہتا ہے، مالک حساب نہ لیجئے ہم حساب دینے کی ہمت کہاں سے لائیں، ہم کو تو اپنے فضل وکرم سے حساب وکتاب کے بغیر معاف کر کے جنت دے دیجئے، بندہ جانتا ہے اللہ نے صحت دی، راستہ کو مامون بنایا، آنے جانے کے لائق دولت دی، مال بھی دیا اور جسم کی طاقت بھی۔ شکر مال کا بھی ضروری اور شکر جسم وجان کا بھی ضروری، اس لئے حج کو آیا ہے، اللہ کی عبادت میں اپنی جان بھی کھپاتا ہے اور اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے۔ افسر ہو، تاجر ہو، حکمراں ہو، عالم وفاضل ہو، فقیر بے نوا ہو، سب اپنی امتیازی حیثیت کو مٹا کر اپنی انانیت اور خودی کو قربان کر کے، ذلیل غلام کی طرح مالک کے دروازہ پر بھکاری بن کر آئے ہیں اور اس یقین کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہے، ہم بھی بخشش کا پروانہ لے کر جائیں گے فضل الٰہی اور رحمت باری کی بارش ہم پر بھی ضرور ہوگی۔ اپنی عاجزی کا احساس، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اللہ کی رحمت پر اعتماد، اور اس سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی جائیں گے، اس کا یقین، پھر کیف ومستی، خود فراموشی اور عشق ومحبت کے جذبات سے سرشار ہونا، یہی وہ جذبات ہیں اور یہ وہ ادائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے، بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور حاجی دربار سے اس طرح لوٹتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا ہو۔ معصوم، صاف ستھرا، دھلا دھلایا، بڑی دولت لے کر لوٹتا ہے۔

نیت: سب سے اہم بات یہ ہے کہ حج کیوں کریں، شہرت اور ناموری کے لئے؟ دولت اور مال کے لئے؟ سیر اور تفریح کے لئے؟ سیاسی مقاصد کے لئے؟ اگر یہ مقاصد ہیں تو ابھی راستہ سے واپس چلے جائیں، نہ پیسہ برباد کیجئے نہ وقت اور نہ اپنی جسمانی قوت، سفر حج تو محض اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ اپنی مغفرت کے لئے، اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے، اس راہ کے مسافر کے لئے تو رضائے ربانی ہی اول وآخر منزل ہے، اس کو ان مادی مفادات کا کہاں ہوش، وادی عشق ومحبت کے مسافر کے لئے تو پہلی شرط ہے ان سبھی مادی اغراض سے بالاتر ہوتا۔

شرط اول قدم آن است کہ مجنون باشی

علامت آپ کے اخلاص کی یہ ہے کہ اگر آپ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر آپ کو اس سفر سے دولت نہیں ملے، شہرت نہیں ملے، کوئی دوسرا سیاسی فائدہ حاصل نہ ہو تو بھی آپ اس سفر سے باز نہیں آئیں گے، اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ یہ مادی فائدے حاصل ہوں تو آپ جائیں گے نہیں، تو نہیں جائیں گے، پھر آپ مخلص نہیں، فقیہ آپ کے حج کو ضابطہ کے کانٹوں پر تول کر صحیح کہہ دے تو کہہ دے؛ لیکن مقبولیت کے ترازو پر اس حج کا کوئی دام نہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قیمت اعمال کی بندہ کی نیت پر متعین ہوتی ہے، پس اپنے دل کو جھانک کر دیکھ لیجیے۔ کہیں کوئی کھوٹ ہے تو اسے دور کر لیجئے اور اس سفر کا ارادہ محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کیجئے۔

حج فرض ھے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اللہ کے گھر کا حج کریں، جس کو اس سفر کی استطاعت ہو اور جو (حج سے) انکار کرے (تو کیا کرے) اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے'' (سورۃ آل عمران-۹۷) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ حج کی فرضیت کا اعلان کردیں، لوگ پیدل اور طرح طرح کی سواریوں پر دور دور سے آئیں۔ ''اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کردیں۔ لوگ پاؤں پیدل اور ہر قسم کی سواریوں پر ہر دور دراز علاقہ سے آئیں''۔ (سورہ حج-۲۷) اور حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اللہ کے تنہا معبود ہونے کی شہادت، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کا روزہ اور بیت اللہ کا حج جس میں استطاعت ہو (متفق علیہ)۔ اور فرمایا: اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز پڑھو، رمضان کا روزہ رکھو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے مال کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیا کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (مشکوٰۃ)۔ نیز ارشاد رسول صلی اللہ علیہ ہے: ''جو شخص حج فرض ادا کئے بغیر مر گیا، بغیر اس کے کہ اسے کوئی ظالم بادشاہ یا سخت مرض یا غالب دشمن سفر سے روکے۔ پس وہ مرے یہودی ہوکر، یا نصرانی ہوکر، یا مجوسی ہوکر۔ اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے لیکن ابن الحجر ہیثمی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، (دیکھئے حاشیہ ابن ہیثمی علی مناسک نووی)۔ پوری امت کا حج کے فرض ہونے پر اجماع ہے، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے، اس لئے حج کا ضروری ہونا عین عقل وقیاس کے مطابق ہے۔

حج کس پر فرض ھے؟ حج فرض عین ہے، عمر میں ایک بار ہر مسلمان عاقل وبالغ آزاد مرد وعورت پر، جس کے پاس اپنی ضروریات اصلیہ کے علاوہ اتنی دولت ہو کہ وہ آنے جانے کے اخراجات اور دوران سفر اپنے اہل وعیال کے اخراجات پورے کرسکتا ہے بشرطیکہ تندرست ہو کہ سفر کر سکے اور راستہ مامون ہو، عورت ہو تو اس کے لئے شوہر یا کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

حج کی فرضیت کیسی ھے؟ یہ ایک اہم سوال ہے کہ حج کی فرضیت علی الفور ہے یا علی التراخی، علی الفور فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس سال موسم حج میں اس پر حج فرض ہوگیا، اسی سال اس کو حج کے لئے نکل جانا ضروری ہوگا، اگر وہ اس سال حج کے لئے نہیں نکلا تو وہ گنہ گار ہوگا، یہ مسلک امام ابو یوسفؒ کا ہے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی قول زیادہ صحیح طور پر منقول ہے، امام مالکؒ کا مشہور قول، امام احمد بن حنبلؒ سے معروف اور شوافع میں مازنیؒ کی یہی رائے ہے، اور وجوب علی التراخی کا مطلب یہ ہے کہ واجب تو ہوگیا لیکن اسی سال ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ عمر میں کبھی بھی ادا کرے، مثلاً ظہر کا وقت دو گھنٹے ہے، وقت شروع ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے؛ لیکن آخر وقت تک نماز مؤخر کرسکتا ہے، اسی طرح حج دیر سویر عمر میں کبھی بھی ادا کر لے گنہ گار نہیں ہوگا، امام محمدؒ، امام شافعیؒ اور ایک قول امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہی ہے۔ دونوں ہی رائے کے پیچھے دلائل ہیں؛ لیکن اتنی بات طے ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہوگیا اور اس نے اس سال حج نہیں کیا، پھر آئندہ وہ مالی یا جسمانی معذوری کے باعث حج کرنے کے لائق نہیں رہا تو وہ گنہگار مرے گا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

واضح رہے کہ جن علماء نے مؤخر کرنے کو جائز بھی کہا ہے تو اسی شرط کے ساتھ کہ آئندہ اس کا پختہ ارادہ حج ادا کرنے کا ہو، وہ لوگ جن پر حج فرض ہے، ڈھیر ساری دولت رکھتے ہیں، ملک ملک کا سفر کرتے ہیں، لیکن حج نہیں کرتے ان کے لئے یہ اجازت نہیں ہے، وہ بہر حال گنہگار ہوں گے۔

اچھی باتیں

''کسی کو حقیر اور کمزور نہ سمجھو؛ کیوں کہ راستے کا چھوٹا سا پتھر بھی آپ کو منہ کے بل گرا سکتا ہے، اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرو کیوں کہ انسان پہاڑوں سے نہیں، پتھروں سے ٹھوکر کھاتا ہے...... بدکردار دوسروں کے کردار کو اور بے ایمان دوسروں کے ایمان کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

''بجرنگ دل جیسی تنظیموں پر پابندی لگانا انتہائی ضروری ہے، یہ تشدد پسند تنظیموں میں سے ایک ہے، پی ایف آئی اور سیمی پر جن وجوہات سے پابندی لگائی گئی، اس سے کئی گنا پابندی لگانے کی بنیاد بجرنگ دل کے خلاف ہے، پھر بھی اس پر اب تک پابندی نہیں لگائی گئی، کیوں کہ اس سے ہندوؤں کے ناراض ہونے کا ڈر ہے۔'' (ہندوستان ۵ رمئی ۲۰۲۳ء)

اللہ کی باتیں ----- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

غصہ کو قابو میں رکھئے

’’آخرت میں کامیاب زندگی حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو درگذر سے کام لیتے ہیں‘‘ (آل عمران: ۳۷)

وضاحت: اس آیت میں اللہ رب العزت نے اخروی زندگی میں کامیاب ہونے والے چند ایسے مخلص بندوں کی اخلاقی صفات بیان کی ہیں، جنہوں نے دنیاوی زندگی میں بے حیائی و بے شرمی کے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھا، زبان و بیان پر قدرت کے باوجود جذبات کو قابو میں رکھا، کیونکہ بسا اوقات انسان حالت غضب میں بے قابو ہو جاتا ہے، آپے سے باہر ہو جاتا ہے، ایسے وقت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور عفو و درگذر سے کام لیا، یہی لوگ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے، کیونکہ غیظ و غضب دل کی ایک چنگاری ہے اس وقت انسان کا چہرہ لال ہو جاتا ہے اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اگر اس وقت انسان کا احساس بیدار ہو جائے اور معاف کر دے تو وہ سب سے بڑا پہلوان ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے، ایک مشہور روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو، اس شخص نے اس نصیحت کو معمولی سمجھا، چنانچہ اس نے دوبارہ، سہ بارہ درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو، مسند احمد میں ان صاحب کا بیان ہے کہ پھر میں نے دل میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ غصہ حقیقت میں ساری برائیوں کی جڑ ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کا سکون کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہوتا ہے، لیکن غصہ کی حالت میں جبکہ وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے، معاف کر دینا آسان نہیں ہوتا ہے، لیکن ایک مسلمان کی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس وقت بھی اپنے کو قابو میں رکھے اور معاف کر دے بالخصوص جو صاحب اقتدار ہیں اور اپنے غصہ کو نافذ کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں، ان کا صبر و تحمل سے کام لینا اور غصہ کو پی جانا بڑے حوصلہ اور مردانگی کا کام ہے، اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا اعزاز و اکرام فرمائیں گے اور سب کے سامنے اس کو انعام و اکرام سے نوازیں گے، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص نے غصہ کو نافذ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود غصہ کو پی لیا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ان تمام لوگوں کے سامنے بلا کر اختیار دیں گے کہ ان میں سے جو حور کو چاہو چھانٹ لو (ترمذی شریف) غصہ ایک فطری عمل ہے، اگر کسی شخص کو غصہ آہی جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ ’’اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم‘‘ پڑھے کہ خداوندا میں شیطان سے بھاگ کر تیری پناہ چاہتا ہوں، اگر اس عمل کے بعد بھی غصہ کم نہیں ہو رہا ہے اور کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے اور آخر میں وضو کر لے، تاکہ پانی کی ٹھنڈک سے مزاج کی حرارت ختم ہو جائے، اس طریقہ عمل سے ان شاء اللہ غصہ کم ہوگا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حلم و بردباری اور تحمل و برداشت کی زندگی گذارنے کی توفیق بخشے۔

کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی محرم کے بغیر ایک دن کا سفر کرے‘‘ (مسلم شریف)

مطلب: شریعت اسلام نے فواحش و بے حیائی کی روک کے لئے دور تک پہر بٹھائے ہیں، تاکہ انسانی معاشرہ ترقی وخوشحالی سے دوچار ہو اور پردہ نشیں کی ردائے عفت کو داغدار ہونے سے بچایا جاسکے، چنانچہ اسلام نے عورتوں کو گھر کا ملکہ بنایا کہ وہ بچوں کی پرورش و پرداخت اور نگہداشت کریں اور اندرون خانہ امور خانہ داری کو انجام دیں، بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں، ہاں اگر کسی ضرورت سے آبادی سے باہر جانے کی نوبت آجائے تو شرعی پردہ کے ساتھ جائیں اور محرم کے بغیر ہرگز سفر نہ کریں، کیونکہ اسلامی نظام میں مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ممنوع ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا: ’’وَ قَرنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلیٰ‘‘ (سورۃ الاحزاب: ۳۳) عورتیں اپنے گھروں میں سکون سے رہیں اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ پھرا کریں، حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا کہ عورت پردہ ہے، جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتا ہے، اس لئے حدیث میں بھی اس کی سخت ممانعت ہے، البتہ بعض ناگزیر حالات میں کسب معاش کی اجازت دی ہے، مثلا مردوں میں کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو یا یہ کہ خاتون زنانہ امراض کے علاج کا گہرا تجربہ رکھتی ہوں تو کچھ شرائط کے ساتھ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت دی گئی ہے، یاد رکھئے کہ انسانی زندگی میں کام کے دو میدان ہیں، ایک داخلی اور دوسرے خارجی، اسلام نے داخلی امور کی انجام دہی عورت کے سر رکھی ہے اور خارجی کاموں کا بار مرد پر ڈالا ہے، یہ ایک قدرتی تقسیم اور فطری نظام عمل ہے جو دونوں صنفوں کی طبیعت و فطرت کے عین مطابق ہے۔ گویا کہ اسلام عورتوں کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتا ہے، اصولی طور پر جو چیزیں جتنی قیمتی ہوتی ہیں، ان کی حفاظت کا اسی قدر اہتمام کیا جاتا ہے، سونے چاندی کو محفوظ لاکر میں رکھا جاتا ہے، تاکہ چوراچکوں کی نظروں سے اوجھل رہے، اسلام کی نظر میں عورتیں ایک بیش قیمت مخلوق ہے، اس کو ہر جہت سے عزت و وقار بخشا جائے، جب سے مغربی تہذیب نے اس کو شمع محفل بنایا اس کی عزت و عصمت تار تار ہونے لگی، آج مغربی دنیا بے راہ روی اور جنسی آوارگی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اور وہ اس میں اس قدر پریشان ہے کہ اس کو اب باہر نکلنے کا راستہ نظر نہیں آرہا ہے، اسلام نے بہت پہلے ان اندیشوں اور راہوں کی جڑ کاٹ دی اور عورتوں کو عزت و احترام کا مقام دیا کہ ماں کے قدموں تلے جنت بتلایا، بیٹی ہے تو اس کی پرورش کو جنت قرار دی اور بیوی ہے تو وہ قلبی سکون کا ذریعہ ہے، اس لئے عورتیں ہر حال میں قابل احترام ہیں۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

بلا احرام میقات سے گذرنا

س: اگر عمرہ یا حج کے سفر پر جانے والا ہندوستانی میقات سے بلا احرام گذر گیا تو اب وہ کیا کرے؟ کیا مسجد عائشہ سے احرام باندھ سکتا ہے؟

ج: آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) مکہ مکرمہ یا حرم میں جانے کا ارادہ رکھتا ہو خواہ مقصد حج وعمرہ ہو یا سیاحت وتجارت، اس پر میقات سے گزرنے کے لئے احرام میں ہونا ضروری ہے، ورنہ دم لازم آئے گا، لہذا بصورت مسئولہ میں عمرہ یا حج کے سفر پر جانے والا ہندوستانی جو کسی وجہ سے میقات سے بلا احرام گزر گیا اس پر لازم وضروری ہوگا کہ جس میقات پر بھی بآسانی لوٹ سکتا ہو واپس آکر احرام باندھے پھر میقات میں داخل ہو، ایسی صورت میں اس سے دم ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ میقات پر واپس نہیں آیا اور میقات کے آگے کسی جگہ سے احرام باندھ کر عمرہ یا حج کر لیا تو اس پر دم واجب ہوگا، مسجد عائشہ میقات نہیں، بلکہ حل ہے، اس لئے آفاقی کے لئے یہاں سے احرام باندھنا درست نہیں ہوگا اور اس سے دم ساقط نہیں ہوگا: ’’اذا دخل الأفاقی مکة بغیر احرام وهو لایرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حجة أو عمرة، فان احرم بالحج أو العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترک حق المیقات وان عاد الیٰ المیقات واحرم فهذا علی وجهین فان احرم بحجة أو عمرة عما لزمه خرج من العهدة‘‘ (الفتاوی الهندیة: ۱/۲۵۳)

میقات سے گزر کر مدینہ جانا ہو تو کیا احرام ضروری ہے

س: حج وعمرہ میں کبھی براہ راست مکہ جانے کا شیڈول ہوتا ہے تو کبھی مدینہ پاک جانے کا، اگر شیڈول پہلے مدینہ پاک جانے کا ہو لیکن جہاز میقات سے گزر کر مدینہ جائے تو کیا ایسی صورت میں میقات سے گزرنے کی وجہ سے احرام ضروری ہے؟

ج: اگر مکہ مکرمہ یا حرم جانے کا قصد وارادہ ہو تو ایسی صورت میں میقات سے گزرنے پر احرام ضروری ہے اور اگر ارادہ پہلے مدینہ پاک جانے کا ہو تو ایسی صورت میں میقات سے گزرنے پر احرام ضروری نہیں ہے، لہذا بصورت مسئولہ میں مدینہ پاک کے سفر پر اگر میقات سے گزرنا پڑے تو احرام نہیں باندھا جائے گا، البتہ مدینہ پاک سے جب مکة المکرّمہ کا سفر ہو تو اس وقت ذوالحلیفہ سے احرام باندھنا ہوگا: ’’ویدل علی ذالک مافی البدائع بعد ماذکر حکم المجاوزة بغیر احرام قال: هذا اذا جاوز احد هذه المواقیت الخمسة یرید الحج أو العمرة او دخول مکة او الحرم بغیر احرام، فاما اذا لم یرد ذالک وانما اراد أن یاتی بستان بنی عامر أو غیره لحاجة فلاشیء علیه فاعتبر الارادة عند المجاوزة کماتریٰ الخ‘‘ (رد المحتار: ۳/۶۲۴، باب الجنایات)

کسی کام سے جدہ جانے والے پر کیا احرام ضروری ہے

س: اگر کوئی ہندوستانی جدہ کسی کام سے جائے تو کیا اس پر میقات سے گزرنے کی وجہ سے احرام باندھنا ضروری ہے، اگر وہ وہاں کچھ دن رہ کر عمرہ کرنے جائے تو احرام کہاں سے باندھے گا؟

ج: ’’جدہ‘‘ حدود حرم سے باہر اور حدود میقات کے اندر کا درمیانی علاقہ ہے، جسے حل کہتے ہیں اور حل میں جانے والے پر میقات سے بحالت احرام گزرنا ضروری نہیں ہے، نیز اہل حل کا حکم یہ ہے کہ وہ عمرہ کا احرام اپنے گھر سے باندھ کر حرم میں داخل ہو، لہذا بصورت مسئولہ میں کسی کام سے جدہ جانے والے ہندوستانی شخص پر میقات سے گزرتے ہوئے احرام میں ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ جب وہ جدہ سے عمرہ کا ارادہ کرے تو جہاں وہ مقیم ہو وہیں سے احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوگا: ’’(وحرم تاخیر الاحرام عنها) کلها (لمن) ای لأفاقی (قصد دخول مکة) یعنی الحرم (ولو لحاجة) غیر الحج، اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلااحرام، فاذا حل به التحق بأهله، فله دخول مکة بلااحرام...... (وحل لاهل داخلها) یعنی لکل من وجد فی داخل المواقیت (دخول مکة غیر محرم) مالم یرد نسکا للحرج کما لوجاوزها حطابو مکة (فهذا میقاته الحل) الذی بین المواقیت والحرم‘‘ (الدر المختار علی صدر رد المحتار: ۳/۴۸۳)

کیا مکہ سے طائف جانے پر واپسی میں احرام ضروری ہے

س: حج سے فراغت کے بعد بہت سے حاجی طائف جاتے ہیں اور واپسی پر احرام وعمرہ کے سلسلہ میں تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں، بہت سے لوگ ناواقفیت کی بنا پر بلا احرام مکہ آجاتے ہیں، پھر جب غلطی کا علم ہوتا ہے تو مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: جو لوگ مکہ میں مقیم ہیں، خواہ وہ آفاقی ہوں یا غیر آفاقی، وہ مکی کے حکم میں ہوتے ہیں اور مکہ میں مقیم افراد اگر میقات سے تجاوز کر جائیں تو واپسی پر کسی میقات سے احرام باندھ کر آنا ضروری ہوتا ہے اور طائف میقات سے باہر کا علاقہ ہے، لہذا بصورت مسئولہ میں جو حاجی طائف جاتے ہیں، انہیں واپسی پر کسی میقات سے احرام باندھ کر آنا اور عمرہ کرنا لازم وضروری ہوگا، ورنہ دم (بکرا یا دنبہ وغیرہ) ادا کرنا حرم میں ضروری ہوگا، طائف سے آنے والوں کی میقات قرن المنازل ہے، آج کل طائف سے مکہ مکرمہ آنے کے دو راستے ہیں، ایک راستہ میں ’’السیل الکبیر‘‘ یا ’’السبیل الصغیر‘‘ اور دوسرے راستہ میں ’’ہدا‘‘ نامی علاقہ میقات کہلاتا ہے: ’’المکی اذا خرج منها وجاوز المواقیت لایحل له العود بلا احرام لکن احرامه من المیقات‘‘ (رد المحتار: ۳/۴۸۴)

واضح رہے کہ مسجد عائشہ میقات نہیں، بلکہ حل ہے، جہاں سے حدود حرم میں رہنے والے افراد عمرہ کا احرام باندھتے ہیں اور جو لوگ میقات سے تجاوز کر جائیں ان کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، مسجد عائشہ سے احرام باندھنا درست نہیں ہے اور اس سے دم ساقط نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 63/73 شمارہ نمبر 18 مورخہ ۲۵/شوال المکرّم ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۵/مئی ۲۰۲۳ء روز سوموار

شعبہ تحفیظ القرآن

امارت شرعیہ میں بہت سارے شعبے کام کرتے ہیں، جن کے بارے میں نقیب کے قارئین کا بڑا طبقہ تفصیل کے ساتھ جانتا ہے، ان شعبوں میں ایک شعبہ تحفیظ القرآن ہے، جس کے بارے میں کم لوگوں کو معلوم ہے، یہ شعبہ ان طلبہ کے لیے ہے، جو روز یہاں آ کر حفظ قرآن کرتے ہیں اور اپنے گھر کو واپس چلے جاتے ہیں، امارت شرعیہ میں ان طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، اس کی وجہ سے وہی طلبہ اس شعبہ سے استفادہ کر سکتے ہیں جو یا تو مقامی ہیں یا ان کے والدین یا گارجین بسلسلۂ ملازمت پھلواری شریف میں قیام پذیر ہیں، والدین طلبہ کو روزانہ امارت شرعیہ پہونچا دیتے ہیں یا وہ خود سے چلے آتے ہیں اور مقررہ تعلیمی اوقات کے بعد گھر روانہ ہو جاتے ہیں۔

اس شعبہ کا آغاز باؤلی مسجد میں تراویح ختم کے موقع سے مفتی جنید عالم ندوی قاسمی سابق صدر مفتی امارت شرعیہ کی ''عظمت قرآن'' پر ایک تقریر سے ہوا تھا، اس زمانہ میں کہا جاتا ہے کہ پھلواری شریف میں صرف دو یا تین حافظ تھے، دار العلوم خانقاہ مجیبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا تعلیمی ادارہ یہاں نہیں تھا، اس مجلس کے اختتام پر چند لوگ اس کے لیے تیار ہوئے کہ مفتی صاحب اگر بچوں کے حفظ کا نظم کریں تو وہ بچے دیں گے، چنانچہ مفتی صاحب نے خارج وقت میں ذاتی دلچسپی سے یہ کام شروع کیا، شروع میں پانچ بچے فراہم ہوئے، جن پر محنت شروع ہوئی، یہ ۱۹۸۹ء کا سال تھا، دھیرے دھیرے اس کا چرچا شروع ہوا اور لڑکوں کی تعداد بڑھنے لگی، تین سال میں جب یہ تعداد اکیس (۲۱) تک پہونچ گئی تو امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدینؒ نے ایک استاذ کی بحالی کی اجازت دی، یہ استاذ دفتر کے اوقات میں تو تنہا ہوتے، لیکن خارج اوقات میں مفتی جنید عالم ندوی قاسمی بھی ان کی مدد کرتے، حضرت امیر شریعت سادسؒ نے انہیں اس شعبہ کا ذمہ دار بنایا اور پچیس روپے فی طالب علم فیس کے مقرر ہوئے، تعلیم کے جو اوقات مقرر ہوئے ان میں صبح سویرے سے موسم کی تبدیلی کے ساتھ اوقات بدل بدل کر تعلیم ہوا کرتی تھی، دوپہر اور مغرب بعد بھی اساتذہ کی نگرانی میں یہ سلسلہ جاری رہا کرتا تھا، جو اب بھی جاری ہے۔

طلبہ کی بڑھتی تعداد کے ساتھ اساتذہ کی تعداد بھی بڑھتی رہی اور ایک زمانہ میں چار استاذ اس شعبہ کو سنبھالتے رہے، ان حضرات کی محنت اور توجہ کے طفیل پھلواری شریف میں شعبۂ تحفیظ القرآن کی اہمیت کا احساس بڑھنے لگا، مدارس بھی قائم ہوئے اور مساجد میں اس سلسلہ کو رواج دیا گیا، یہاں کے ایک استاذ نے اپنا مدرسہ الگ کھول لیا، اور کچھ بچے یہاں سے وہاں منتقل ہو گیے، جن علاقوں سے آنے والے طلبہ کو سڑک عبور کرنا پڑتا تھا وہاں بھی مدرسے کھل گیے اور اُدھر کے بچے اُدھر ہی تعلیم حاصل کرنے لگے، اس طرح یہاں طلبہ کی تعداد کم ہونے لگی، اور مفتی جنید عالم ندوی قاسمی صاحب کے دور میں ہی طلبہ کی تعداد اس قدر کم ہوگئی کہ صرف دو اساتذہ سے کام پورا ہونے لگا، ایک استاذ نے اپنا ادارہ کھول لیا تو ان کی توجہ اپنے ادارہ کی طرف زیادہ ہونے لگی، کچھ دنوں کے بعد وہ بھی یہاں سے علاحدہ ہو گیے، ادھر مفتی صاحب کی مصروفیت بھی بڑھتی رہی، ایسے میں امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے ۲۵/شوال ۱۴۳۴ھ کو اس شعبہ کا ذمہ دار احقر (محمد ثناء الہدیٰ قاسمی) کو بنایا اور گذشتہ دس سالوں سے یہ شعبہ میری نگرانی میں چل رہا ہے۔

کورونا کے دور میں جس طرح دوسرے شعبے امارت شرعیہ کے بند رہے، اسی طرح یہ شعبہ بھی متاثر رہا، وحشت اور دہشت تھوڑی کم ہوئی تو محلّہ کی مسجد میں پھر سے اس کام کا آغاز کیا گیا، حالات معمول پر آنے کے بعد دوبارہ یہ شعبہ امارت شرعیہ کے احاطہ میں منتقل ہو گیا، لیکن بہت سارے بچے دوسرے کاموں میں لگ گیے، اور ان کی واپسی ممکن نہیں ہو سکی، حالاں کہ کورونا کے بعد جو پچیس روپے بطور فیس لیے جاتے تھے اسے بھی بند کر کے مفت تعلیم دی جانے لگی، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

یہ شعبہ اچھی طرح کام کرے اور طلبہ کو کسی طرح کی دشواری نہ ہو اس کے لیے شعبۂ تحفیظ القرآن کی دو منزلہ عمارت ہے، جس کی تعمیر بعض اہل خیر کے صرفہ سے ہوئی، نیچے کی منزل پر خورشید انوار عارفی مرحوم کے نام کا کتبہ لگا ہے، جو انہوں نے اپنے والد انوار احمد صاحب کے ایصال ثواب کے لیے تعمیر کرایا تھا، ان دنوں طلبہ اس کی بالائی منزل پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اس شعبہ سے اب تک ایک سو چالیس (۱۴۰) حفاظ کرام فارغ ہو چکے ہیں، جو مختلف محاذ پر بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں، مختلف سالوں میں فارغین حفاظ کی دستار بندی پہلے ہو چکی ہے۔ ۱۴/مئی ۲۰۲۳ء کو حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کے دست مبارک سے چودہ (۱۴) حفاظ کرام کے سروں پر دستار بندی ہونی ہے، تیاری مکمل ہے اور ممکن ہے جب یہ تحریر آپ کے ہاتھوں تک پہونچے دستار بندی کا مرحلہ مکمل ہو چکا ہو۔

امارت شرعیہ کا ایک شعبہ تحفیظ القرآن دار العلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ گون پورہ میں بھی قائم ہے، یہاں قیام وطعام کی سہولت بھی دستیاب ہے، لیکن مقامی طلبہ کے لیے جو حفظ کرنا چاہتے ہوں اور اپنے گھر سے آمد ورفت کر سکتے ہوں ان کے لیے امارت شرعیہ کے احاطہ میں جاری شعبہ تحفیظ القرآن میں داخلہ لے کر حفظ قرآن مکمل کرنا زیادہ آسان ہے۔

شوال سے مدارس اسلامیہ کا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے، اس شعبہ میں داخلہ جاری ہے، آگے بڑھیے اور فائدہ اٹھایئے، حفظ قرآن دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کا ضامن ہے۔

امارت شرعیہ کے اس شعبہ کو صرف حفظ کے ایک ادارہ کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے، یہ ایک مشن ہے جس کے نتیجے میں پھلواری شریف میں بہت سارے ادارے وجود میں آئے اور کام کر رہے ہیں۔

شرد پوار کا ڈرامہ اور عدالت کا فیصلہ

ہندوستانی سیاست میں نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے صدر شرد پوار کی شخصیت ایک معمہ رہی ہے، وہ کب، کس وقت کیا فیصلہ لیں گے اور اس کے اثرات ملکی سیاست پر کیا پڑیں گے، وہ خود ہی جانتے ہیں، فیصلہ سامنے آتا ہے تو لوگ دنگ رہ جاتے ہیں اور جب اس کے نتائج سے لوگ واقف ہوتے ہیں تو حیرت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

شرد پوار نے سونیا گاندھی کے غیر ملکی ہونے کا کہہ کر انہیں نہ صرف اقتدار سے دور کر دیا تھا، بلکہ کانگریس کو ایک اور تقسیم کا سامنا کرنا پڑا تھا، نیشنلسٹ کانگریس اسی دور کی یادگار ہے، اس معاملہ میں سنگما اور طارق انور پیش پیش تھے، طارق انور کانگریس میں لوٹ آئے، سنگما بھی اپنی موت آپ مر گیے، لیکن شرد پوار نے مہاراشٹر میں اسے مضبوط کیا اور چانکیہ کے انداز میں آگے بڑھے، شیو سینا اور بی جے پی کے جھگڑے میں ان کے محیر العقول کردار نے انہیں اقتدار تک پہونچا دیا اور مہاوکاس اگھاری کی حکومت قائم ہوگئی، یاد کیجئے وہ رات جب مہاراشٹر کے گورنر نے صدر راج ختم کر کے اجیت پوار کی حمایت سے بی جے پی کو حلف دلا دیا تھا اور چند گھنٹے کے بعد ہی اجیت پوار نے منحرف ہو کر بی جے پی حکومت کو مٹی میں ملا دیا تھا، یہ بھی شرد پوار کی ایک چال تھی، اگر وہ اپنے بھتیجہ اجیت پوار کو اس کام پر نہیں لگاتے تو راتوں رات صدر راج ختم ہی نہیں ہوتا اور نئی حکومت بننے کے لیے راستہ ہموار نہیں ہوتا، اجیت پوار نے اپنے اس اقدام سے سارے سیاست دانوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

مہاوکاس اگھاڑی حکومت کے گرنے کے بعد شنڈے اور بی جے پی کی مخلوط حکومت قائم ہوئی ادھر خبر ہی آ رہی تھی کہ اجیت پوار وزیر اعلیٰ کی کرسی تک پہونچنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور بی جے پی سے ہاتھ ملانے سے انہیں گریز نہیں، اس کا سیدھا مطلب یہ تھا کہ پارٹی ٹوٹ رہی ہے، شرد پوار نے پھر ایک چھکا لگایا اور پارٹی صدر سے استعفیٰ کا اعلان کر دیا، اس اعلان نے شرد پوار کے مخالفین کو ہکا بکا کر دیا اور پارٹی میں ان کے استعفیٰ واپس لینے کے لیے تحریک چلنے لگی، کئی عہدیداروں نے بھی استعفیٰ دے دیا، ایک کمیٹی بنائی گئی جو پوار کے استعفیٰ پر غور کرے، کمیٹی نے ان کا استعفیٰ نا منظور کر دیا تو انہوں نے چوتھے دن اپنا استعفیٰ واپس لے لیا اور شرد پوار کا ڈرامہ اختتام کو پہونچا، اس ڈرامہ نے پارٹی کو یک جٹ کیا اور اجیت پوار کے اچھل کود کو ختم کر دیا، شرد پوار نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک شاطر سیاست داں ہیں اور ان کے چھ دہائی سے زیادہ سیاسی تجربات کسی کو بھی دھول چٹانے کے لیے کافی ہیں، چاہے ان کے بھتیجا اور راز داں اجیت پوار ہی کیوں نہ ہوں۔ ادھر عدالت نے بھی شنڈے حکومت کے قیام میں گورنر کے کردار پر سخت تبصرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ادھو ٹھاکرے نے اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک سے پہلے استعفیٰ نہیں دیا ہوتا تو ہم ٹھاکرے کی حکومت کو بحال کر دیتے، مگر ان کے استعفیٰ دینے کی وجہ سے حکومت کی بحالی ممکن نہیں، اس فیصلے کے بعد دیکھیے شرد پوار مہاوکاس اگھاڑی کی حکومت واپس لانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔

تشدد کی آگ میں جلتا منی پور

منی پور شمال مشرق میں واقع ایک چھوٹی ریاست ہے، اس کا انضمام بھارت میں ۱۵/اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ہوا تھا، لیکن اسے مستقل ریاست کا درجہ ۱۹۷۲ء میں مل سکا، ۱۹۶۴ء سے یہاں دہشت گرد تنظیموں کے پاؤں جمنے لگے، اسی سال یونائیٹڈ نیشنل لبریشن (UNLF) نامی تنظیم وجود میں آئی، ۱۹۷۷ء میں پوپلس لبریشن آرمی (PLA) ۱۹۸۰ء میں کانگ لوئی پاک کمیونسٹ پارٹی (KCP) اور ۱۹۹۴ء میں کانگ لوئی یووا کنا لوپ (KYEKL) نامی تنظیمیں قائم ہوئیں ان سبھوں کا مشترکہ خیال یہ ہے کہ منی پور کو بھارت نے جبراً اپنے میں شامل کر لیا ہے۔ منی پور کے پہاڑی علاقوں میں ناگا قبائل رہتے ہیں، اس لیے انہوں نے گریٹر ناگالینڈ کے نام پر منی پور کو اس میں شامل کرنے کے لیے پر تشدد تحریکیں چلائیں۔

۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں ناگا کوکی قبائل کے درمیان مزاحمت شروع ہوئی، بعد میں کوکی قبائل نے کوکی لینڈ کے نام سے الگ ریاست کا مطالبہ شروع کر دیا، ۲۰۰۸ء میں مختلف کوکی تنظیموں اور بھارت سرکار کے درمیان سمجھوتا ہو گیا، یہ ایک قبائلی ریاست ہے، یہاں مختلف قبیلے کے لوگ بستے ہیں، لیکن یہاں ۵۳/فی صد متئی قبیلے کے لوگ ہیں اور کوکی قبیلہ کی آبادی چالیس فی صد ہے، متئی قبیلہ کے لوگ قانونی اعتبار سے گھاٹی اور میدانی علاقوں میں بس سکتے ہیں، ناگا اور کوکی قبائل کو پہاڑی اور میدانی دونوں علاقوں میں بسنے کی آزادی ہے، انہیں آدی باسی تحفظات حاصل ہیں، جب کہ میتی قبیلہ کو صرف میدانی علاقوں میں بسنے کی اجازت ہے، وہ پہاڑی علاقہ میں زمین بھی خرید نہیں سکتے، ان کے بسنے کے لیے صرف دس فیصد علاقہ ہی منی پور میں بچتا ہے، کیوں کہ منی پور کا نوے فی صد علاقہ پہاڑی ہے، اس طرح چالیس فی صد آبادی والے ناگا کوکی کا دبدبہ قائم ہے۔ ۱۹/اپریل کو منی پور ہائی کورٹ نے متئی قبیلہ کو بھی درج فہرست قبائل میں شامل کرنے کا فیصلہ سنایا اور منی پور حکومت کو حکم دیا کہ وہ ایک ماہ کے اندر یہ تجویز حکومت ہند کو بھیجے، یہ فیصلہ چوں کہ ناگا کوکی قبائل کے حق میں نہیں تھا اس لیے کہ اس فیصلہ کے بعد متئی کے لیے پہاڑوں میں بسنا قانونی ہو جائے گا اور نوے فی صد پہاڑی علاقوں میں وہ بھی بود وباش کر سکیں گے، چنانچہ ناگا اور کوکی قبائل نے پر تشدد احتجاج شروع کر دیا، متئی کی آبادی بہت ہے اس لیے وہ بھی اس کی حمایت میں سڑکوں پر اتر آئے، پھر کیا تھا مزاحمت ہوئی اور منی پور تشدد کی آگ میں جل گیا، کوئی علاقہ محفوظ نہیں ہے، سو سے زائد لوگ مارے جا چکے ہیں اور زخمیوں کا شمار ممکن نہیں، کوئی اور ریاست ہوتی تو لا اینڈ آرڈر کے فیل ہونے کے نام پر وزیر داخلہ امیت شاہ صدر راج نافذ کروا دیتے، لیکن یہاں وزیر اعلیٰ محبوب نظر ہیں، اس لیے صرف رپورٹ مانگ لی گئی ہے، لیکن آتش زنی اور مار کاٹ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے اور یہ خوبصورت ریاست خاکستر ہوتی جا رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ مرکزی حکومت یہاں کی حکومت کو برخواست کر کے صدر راج نافذ کرے اور چھ ماہ کے اندر وہاں انتخاب کرایا جائے، جو نئی حکومت اقتدار میں آئے وہ مختلف مزاحم تنظیموں سے مذاکرات کر کے امن کی راہ نکالے، اگر فوری طور پر ایسا نہیں کیا گیا تو منی پور میں امن کا قیام دن بدل مشکل ہوتا جائے گا۔

یادوں کے چراغ ✍: سفیان المظفر اردیاوی

مولانا عبدالدیان صاحب رحمانیؒ

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

کاتب تقدیر نے ہر کسی کا وقت مقرر کر رکھا ہے، البتہ وقت اجل کا جو دستور جاری ہے اس سے ہٹ کر موت کا ورود پچھلوں کو بے چین کر دیتا ہے، اور ایسا صدمہ دے جاتا ہے جس کی کسک دیر پا ہوتی ہے، کچھ ایسی ہی موت استاذ نا المحترم حضرت مولانا عبدالدیان خان صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جن کے ہاتھ میں نہ تو ملی قیادت کی باگ تھی اور نہ ہی ملکی سیاست کی کمان، نہ ہی عوامی حلقے کا سرورق رہے اور نہ ہی انہوں نے مروجہ پیری کا خوش نما و دل ربا لبادہ ہی اوڑھ رکھا تھا، البتہ اپنی نوعمری سے ہی قائد وقت کے دست و بازو رہے، ملکی سیاست کو بہت غور سے دیکھا، اور اس میں در آئی گندگی سے انہیں نفرت تھی، وہ ایک عالم دین تھے، جن کے علم نے انھیں سلوک و معرفت کی طرف گامزن رکھا، ان میں تقوی و پرہیز گاری بھی تھی اور تواضع وانکساری بھی، مجاہدہ اور ریاضت بھی تھی اور ہمدردی و غمخواری کا جذبہ بھی، صبر و استقامت بھی تھا، اور شکر و شکیبائی بھی، وہ بظاہر نرے مدرس تھے، اللہ نے انھیں علوم دینیہ کے حصول اور اس کی ترویج واشاعت کے لیے منتخب فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کی ابتدا بھی مدرسے سے ہوتی ہے اور زندگی کا اختتام بھی، وہ اپنے خدماتی دور میں ایک باکمال مدرس، بہترین منتظم اور نفس شناس مربی کی حیثیت سے جانے گئے، طلبہ ان کے سبق کو پر شوق سنتے اور جن میں ادنی شعور بھی ہوتا ان کے سبق سے غیر حاضری کو باعث محرومی سمجھتے، مجھے فخر ہے کہ میں ایسی بافیض شخصیت کے فیض یافتگان کا حصہ ہوں۔

2014 / کی بات ہے جب میں جامعہ رحمانی مونگیر میں زیر تعلیم تھا، ششم اردو (اعدادیہ، فارسی اور اردو) کا سال تھا، جامعہ رحمانی میں نچلی جماعت کو طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے کئی ترتیب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور ترتیب کی شناخت کے لیے " گروپ الف، ب یا ج" کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے، تعلیمی سال کے آغاز میں جب ترتیب کی فہرست کا اعلان آیا تو میرا نام " گروپ ب" میں تھا، جس کے نقشہ اسباق میں اردو تحریر کا دوسرا گھنٹہ مولانا مرحوم سے متعلق تھا۔۔ سبق کا وقت ہوا تو مولانا درس گاہ میں تشریف لائے، کشادہ پیشانی، بڑی آنکھوں پر گول چشمہ، ڈاڑھ سے ٹھوڑی تک گھنی داڑھی سجی ہوئی تھی، جس کا بیش تر حصہ سفید ہو چکا تھا، سانولا رنگ، درمیانہ قد اس پر خوبصورت لباس اور دو پلی (ندوی) ٹوپی، اپنے سراپا سے بہت بارعب معلوم ہوتے تھے، میں بہت چھوٹا تھا ایسی بارعب شخصیت سے مرعوب ہو جانا فطری بات تھی، مگر گزرتے دنوں کے ساتھ مولانا کے لطف و کرم اور شفقت و عنایت نے ہمیں اپنا اسیر بنا لیا، اور مجھ حقیر پر خاص توجہ تھی، شاید! اس وجہ سے کہ میں درس گاہ میں سب سے چھوٹا تھا یا اس لیے کہ میں استاذ زادہ تھا، مجھے تو اپنے ساتھیوں میں کوئی تعلیمی امتیاز حاصل نہ تھا کہ اچھا پڑھنے یا لکھنے کی وجہ سے کسی استاذ کا منظور نظر بن سکتا، مولانا مرحوم اردو کے قواعد پر مشتمل ایک کتاب (جس کا مصنف کوئی ہندو تھا، اب نہ تو اس کتاب ہی کا نام یاد رہا اور نہ ہی اس کے مصنف کا) سے املا لکھواتے تھے، وہ کتاب مولانا خود اپنے گھر سے لے کر آتے تھے، تھوڑے دنوں کے بعد کتاب برداری کی یہ ذمہ داری میرے سپرد کر دی تھی۔

مولانا معلم کے ساتھ ہمارے بہترین مربی بھی تھے، اس لیے مولانا کی ذات نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا، اور ہم ان کے ایسے مقروض ہیں کہ کبھی اس قرض کو نہیں چکا سکتے۔ اللہ تعالی ہی ان کو اس کا بہتر صلہ عنایت فرمائیں۔

سہرسہ شہر سے جنوبی طرف 15 /کلومیٹر کے فاصلے پر مسلمانوں کی ایک بڑی بستی آباد ہے، جس میں سے ایک گاؤں کا نام سٹین آباد ہے، اسی بستی میں مولانا مرحوم 1971ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے پرائیمری اسکول سے حاصل کی، پھر قریبی گاؤں بلوا کے مڈل اسکول میں داخل ہو گئے، اور یہاں سے نکلنے کے بعد بہار کے مشہور و معروف ادارے جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں داخلہ لیا اور یہیں اپنی تعلیم مکمل کی، مولانا مرحوم کو بڑے قابل، ذی استعداد اور اپنے وقت کے عالم ربانی سے استفادہ کرنے کا موقع ملا، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا شمس الحق، مولانا فضل الرحمان رحمانی، مولانا صغیر احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ظاہر صاحب رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا کو اپنے وقت کے طلبہ میں نمایاں حیثیت حاصل تھی جس کی وجہ سے حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ علیہ بھی بہت محبوب رکھتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ 1986ء میں فراغت کے بعد ہی مولانا کو حضرت امیر شریعت رابع نے تدریسی خدمات کے لیے روک لیا، اور ابتدائی درجات کی کتابیں سونپ دیں، سابق ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی عارف صاحب رحمانی رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ناظم تعلیمات کا عہدہ بھی آپ کے سپرد کیا گیا جس کو آپ نے تا وفات بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا، آپ کی تدریسی خدمات 36 /سالوں پر محیط ہے جس میں آپ نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، نسائی شریف، مشکاۃ شریف اور جلالین جیسی بڑی بڑی کتابیں آپ کے زیرِ درس تھیں، آپ کے ہزاروں شاگرد اس وقت ملک و بیرون ملک میں علوم دینیہ کا چراغ روشن کر رہے ہیں جس میں نائب امیر شریعت مولانا شمشاد رحمانی، مولانا و مفتی نوشاد نوری، قاضی محمد انظار عالم قاسمی، مفتی ارشد، مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا شاداب اظہر، مولانا عبدالعلیم اور مولانا رفیع احمد صاحبان وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۱۴؍ پر)

کتابوں کی دنیا ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

سیاہ خضاب احکام اور شبہات کا تحقیقی جائزہ

مفتی رضوان اللہ بن مولانا محی الدین لدھیانوی جواں سال عالم دین ہیں، گذشتہ سال ہی وہ دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تکمیل افتاء سے فارغ ہوئے ہیں اور اب امارت شرعیہ کے دارالقضاء سے تربیت لینے کے لیے ان کا پھلواری شریف آنا ہوا ہے، یہ کتاب انہیں مفتی رضوان اللہ صاحب کی تالیف لطیف ہے، جس کے لیے انہوں نے جامع و مرتب کا لفظ استعمال کیا ہے، دعویٰ مصنف ہونے کا نہیں جمع و ترتیب کا ہے، مجھے یہ کتاب انہوں نے دعا لینے کی غرض سے دی، لیکن میری سوچ اور طریقۂ عمل یہی رہا ہے کہ ایسے نوجوان اہل علم کی حوصلہ افزائی کی جائے؛ تاکہ وہ مستقبل میں بڑے کام کر سکیں، اس لیے میں اس بات پر ہمیشہ زور دیتا ہوں کہ نئے لکھنے والوں کی تحریر و تحقیق کا مقابلہ پرانے اور مشاق محققین اور مصنفین سے کرنا زیادتی ہوگی، کوئی بھی مرتب، مؤلف اور مصنف بیک وقت بڑا نہیں ہو جاتا، مستقل محنت اور لگن سے اس کی تحریر پُرکشش اور اس کی تحقیق قابل داد ہو جاتی ہے، یقیناً بعض مصنفین کی ایک ہی کتاب یا ایک ہی مضمون نے انہیں اہل علم میں درجۂ اسناد کو پہونچا دیا، لیکن یہ شاذ ہے۔ اور الشاذ کالمعدوم انتہائی مشہور مقولہ ہے، آپ اسے مستثنیات کے خانہ میں بھی ڈال سکتے ہیں۔

''سیاہ خضاب احکام وشبہات کا تحقیقی جائزہ'' اس موضوع پر عمدہ اور جامع کتاب ہے، جو مؤلف کے روشن مستقبل کی غماز ہیں، وہ جو مثل مشہور ہے کہ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں، وہ مفتی رضوان اللہ صاحب پر حرف بہ حرف صادق آتا ہے، میں نے ملاقات میں بھی پایا کہ ان کے اندر مختلف مسائل کے سلسلے میں تجسس ہے، وہ سوال کر کے مطمئن ہونا بھی چاہتے ہیں، ذہن میں سوال کا پیدا ہونا، جواب تلاشنے کی فکر کرنا ان کے اخاذ ذہن کی علامت ہے، ذہن اخاذ ہو تو کتابوں سے معلومات کا حصول کچھ دشوار نہیں، مولانا کو مرتب کر کے چیزوں کو پیش کرنا بھی آتا ہے، جس کا ثبوت زیر تبصرہ کتاب ہے، اس کا مطلب ہے کہ ان کے اندر قوت اخذ بھی ہے، اور طاقت عطا بھی۔

یہ کتاب چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا انتساب والدین، بھائی اور دو مادر علمی کے نام ہے، جن کی عنایتوں اور توجہات سے مؤلف اس مقام تک پہونچ سکے، فہرست میں باب اول کو عرض مرتب کے بعد ہونا چاہیے تھا جیسا کہ کتاب کے اندرونی صفحات میں ہے، لیکن یہ سب سے اوپر درج ہو گیا ہے، دعائیہ کلمات مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، کلمات تبریک مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، رائے عالی مولانا مفتی افروز عالم قاسمی مہتمم مدرسہ سراج العلوم محمدیہ بانگڑیاں، پنجاب کا ہے اور عرض مرتب خود مؤلف کا، اس میں ایک غلطی تو یہ ہے کہ حفظ مراتب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، مہتمم دارالعلوم دیوبند سے قبل مفتی محمد سلمان منصور پوری کی عظمت تسلیم کرنے کے باوجود دعائیہ کلمات کا رکھنا سمجھ میں نہیں آیا، دوسری غلطی یہ ہوئی ہے کہ فہرست میں جو صفحہ نمبر درج ہے، وہ ایک نمبر آگے ہے، مثلاً انتساب صفحہ ۹؍ پر ہے، لیکن فہرست میں صفحہ ۱۰؍ درج ہے، یہ غلطی بعد کے صفحات میں بھی ہوتی چلی گئی ہے۔ اسی طرح کتاب میں پروف کی بہت ساری غلطیاں ہیں، یقیناً غلطیاں نظر سے اوجھل رہ جاتی ہیں اور کمپیوٹر کے زمانہ میں اس میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے، پھر بھی اس معاملہ میں حساس ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ قارئین پریشان نہ ہوں۔

کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں خضاب کی لغوی تحقیق کے بعد خضاب کے اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، جو مؤلف کتاب کے نزدیک بشمول سیاہ خضاب چھ ہے، اس کے بعد خضاب کے احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور خضاب بالزعفران پر خصوصی تحقیق مؤلف نے پیش کیا ہے، دوسرا باب سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت پر ہے، اس میں مؤلف نے مختلف صورتوں کو آثار واقوال سلف، ائمہ و محدثین، قدیم و جدید فقہاء اور فقہ کی مشہور کتابوں کے حوالہ سے سیاہ خضاب لگانے کی حرمت ثابت کی ہے، ہندوستان کے بڑے مفتیان کرام کے فتووں سے استشہاد کیا ہے اور بتایا ہے کہ فوجیوں کے علاوہ کسی کو بھی خضاب لگانے کی اجازت نہیں ہے، حتی کہ بیوی کو خوش کرنے کے لیے شوہر سیاہ خضاب نہیں لگا سکتا، تیسرے باب میں سیاہ خضاب لگانے کے جواز پر جن لوگوں کی تحریریں ہیں، اس کا تحقیقی جائزہ لے کر سارے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ سے متعلق مختلف احکام و مسائل کو جمع کر دیا گیا ہے، حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے بجا فرمایا ہے کہ ''مرتب کتاب نے خاصی محنت کی ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی یہ رائے بھی سو فی صد صحیح ہے کہ ''موضوع سے متعلق حتی الامکان ضروری معلومات جمع کر دی ہے،'' موصوف کی یہ محنت بہت قابل قدر ہے۔

اس مسئلے پر احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ سیاہ خضاب لگانا ممنوع ہے۔ تاکہ دوسرے لوگ دھوکہ نہ کھائیں، فوجیوں کو اس کے لگانے کی اجازت اس لیے ہے کہ ''الحرب خدعۃ'' کہا گیا ہے، جن لوگوں نے بیوی کے لیے شوہر کو کالے خضاب لگانے کی بات کی ہے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ بیوی سیاہ خضاب لگانے سے دھوکہ نہیں کھائے گی، اس لیے کہ وہ شوہر کے تمام احوال سے واقف ہے اور خوب جانتی ہے کہ کالا خضاب لگا کر جوان بننے کی بے تکلف کوشش کی جارہی ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر انتہائی جامع اور مدلل ہے، لیکن بعض غلطیاں ایسی داخل ہو گئی ہیں، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، مثلاً صفحہ ۵۰؍ پر فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے، مستفتی نے بیوی کے اصرار کا ذکر کیا ہے کہ وہ ڈاڑھی میں خضاب سیاہ لگانے کو کہتی ہے، ایسے میں سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں لکھا گیا ہے کہ عورتوں کے لیے سیاہ خضاب کرنا مکروہ ہے، اس کو کہتے ہیں، سوال دیگر اور جواب دیگر، اگر واقعۃً فتاویٰ دارالعلوم میں اس سوال کا یہی جواب مذکور ہے تو ہم جیسے لوگ تعجب کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں، لیکن اگر یہ الٹ پلٹ مؤلف کی وجہ سے ہوا ہے تو یہ تحقیق کا اتنا بڑا نقص ہے کہ ساری محنت پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔

کتاب مکتبہ عبدالرحمٰن ہنوکندن پوری سول لائن لدھیانہ، پنجاب سے حاصل کی جا سکتی ہے، قیمت کہیں درج نہیں ہے، اس لیے مفت حاصل ہونے کے امکانات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حکایات اہل دل

✍ : مولانا رضوان احمد ندوی

عشق الٰہی کے تین امتحان: عشق الٰہی کے میدان میں سیدنا ابراہیمؑ نے راسخ قدم رکھا، اللہ تعالیٰ نے جب ان کو آزمایا تو وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوگئے، اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا: ”وَ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ“ (البقرہ: ۱۲۴) (اور یاد کر اس وقت کو جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں، اور وہ اس میں کامیاب ہوا) ”فــاتــمهــن“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس میں Cent per cen (سوفیصد) کامیاب ہوئے، اب آپ کی خدمت میں ان چند باتوں کی تفصیل کرتا ہوں۔

(۱) بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق: کتابوں میں لکھا ہے کہ: ”اوحی اللہ تعالیٰ الی نبیہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یاابراھیم انک لی خلیل فاحذر ان اطلع علی قلبک فاجد مشغولا بغیری فیقطع حبک منی فانی انما اختار لحبی من لو احرقته بالنار لم یلتفت قلبه عنی“ (اللہ رب العزت نے اپنے نبی ابراہیمؑ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیمؑ! آپ میرے خلیل ہیں، اس بات سے پرہیز کرنا کہ میں آپ کے قلب کی طرف توجہ کروں اور میں آپ کے قلب کو کسی غیر کے ساتھ مشغول پاؤں، اس لئے کہ جس کو میں اپنی محبت کے لئے چن لیتا ہوں تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی جلادے تو بھی اس کا قلب میری طرف سے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا)... چنانچہ زندگی میں وہ وقت بھی آیا جب نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا، فرشتے تعجب سے کہنے لگے، اے اللہ! ابراہیمؑ کے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے، آپ کی محبت کی وجہ سے آگ میں ڈالے جارہے ہیں، انہوں نے اسباب کی کوئی پرواہ نہیں کی، اے اللہ! ان کی مدد فرمادیجئے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا: ”تم لوگ ان کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مدد پیش کرلو، پھر میرا خلیل قبول کرلے تو تم مدد کردینا، ورنہ خلیل جانے اور خلیل کا رب جلیل جانے، کیونکہ یہ میرا اور میرے خلیل کا معاملہ ہے۔“

چنانچہ فرشتوں نے ابراہیمؑ کے پاس آکر مدد کی پیش کش کی، مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بات سن کر فرمایا: ”لاحاجة لی الیکم“ (مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں)

پھر حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور امداد پیش کی، حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا جبرائیل! کیا آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں یا اللہ رب العزت نے بھیجا ہے؟ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ میں آیا تو اللہ کی مرضی سے ہوں مگر اللہ تعالیٰ مجھے فرمایا ہے کہ اگر مدد قبول کریں تو مدد کردینا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: نہیں، جب میرے اللہ کو میرے حال کا پتہ ہے تو پھر مجھے یہی کافی ہے کہ پروردگار جانتا ہے کہ ابراہیمؑ کس حال میں ہے، میرا مالک اور محبوب جانتا ہے کہ مجھے اس کے نام پر آگ میں ڈالا جارہا ہے، لہٰذا میں آگ میں جانا پسند کروں گا۔ جب فرشتے واپس چلے گئے تو اللہ رب العزت نے آگ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا: ”یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ“ (انبیاء: ۶۹) (اے آگ! میرے ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈک والی بن جا) اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو گلزار بنادیا۔

(۲) بے آب وگیاہ وادی میں....: جب حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش ہوگئی تو اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا: ”اے میرے پیارے خلیل! آپ اپنی بیوی کو بے برگ وگیاہ وادی کے اندر چھوڑ آئیے“... چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بچے حضرت اسماعیلؑ کو بیت اللہ کے قریب جہاں پانی اور سبزہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا، چھوڑ دیتے ہیں، کوئی بات بھی نہیں کرتے اور پھر واپس ملک شام جانے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، ذرا تصور کرکے دیکھئے کہ اپنی بیوی کو اکیلے مکان میں چھوڑ کر آنے کے لئے شوہر کا دل آمادہ نہیں ہوتا، حالانکہ شہر کے اندر ہوتا ہے، پھر اپنی بیوی اور بچے کو ایسے ویرانہ میں چھوڑ دینا جہاں پینے کو پانی بھی نہ ملے اور ہر طرف پتھر نظر آئیں، کتنی بڑی آزمائش ہے... جب اللہ کے حکم سے ان کو چھوڑ کر واپس آنے لگے تو بیوی نے پوچھا، آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ مگر آپؑ نے کوئی جواب نہ دیا، دوبارہ پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ جارہے ہیں؟ مگر پھر بھی آپؑ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ بھی آخر نبیؑ کی صحبت یافتہ تھیں، چنانچہ تیسری بار پوچھنے لگیں، کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ آپؑ نے جواب دینے کے بجائے سر ہلادیا کہ ہاں، میں اللہ کے حکم سے آپ کو یہاں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب اس نیک بیوی نے یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے، پھر آپؑ اپنی بیوی کو چھوڑ کر وہاں سے واپس ملک شام چلے گئے۔

(۳) سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی..: اپنی جان دینا آسان ہوتا ہے، لیکن اپنے سامنے اپنے بچے کو مرتے دیکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے، اسی لئے تو بچے کو بچانے کے لئے ماں باپ آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں مارو، پھر بچے کو ہاتھ لگانا، تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالے جانے والا امتحان ایک درجہ پیچھے تھا اور اولاد کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا اس سے بھی ایک درجہ آگے تھا، حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بچے کو ملنے کے لئے ملک شام سے مکہ مکرمہ آئے، آپؑ نے خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کررہا ہوں، آپ صبح اٹھے تو سوچنے لگے کہ شاید قربانی مطلوب ہے، چنانچہ آپ نے ستر اونٹ اللہ کے راستے میں قربان کردیئے، پھر نویں کی شب کو پھر وہی خواب دیکھا، چنانچہ دوسرے دن بھی ستر اونٹ قربان کردیئے، لیکن دسویں کی رات کو پھر وہی خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کررہا ہوں، جب تیسری بار یہی خواب دیکھا تو واضح طور پر سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بیٹے کی ہی قربانی مطلوب ہے، چنانچہ آپؑ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اب میں نے اپنے سات سالہ بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کو پیار کیا اور کہا، بیٹا! میرے ساتھ چلو، بیوی نے پوچھا، کہاں؟ آپؑ نے فرمایا: کسی بڑے کی ملاقات کرنی ہے، نام نہ بتایا، کیونکہ وہ بالآخر ماں ہے، ممکن ہے کہ قربانی کے نام سن کر اس کا دل پسیج جائے اور اس کی آنکھوں سے آنسو آجائیں اور صبر وضبط میں کچھ فرق پڑ جائے، چنانچہ موٹی سی بات کردی کہ کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جانا ہے... بی بی ہاجرہؓ نے حضرت اسماعیلؑ کو نہلادیا، سر پر تیل بھی لگایا اور کنگھی بھی کردی، لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ آج میرا بیٹا کس آزمائش میں جارہا ہے، البتہ روانہ ہوتے وقت ابراہیمؑ نے بیٹے کو کہہ دیا، بیٹا! ایک رسی اور چھری بھی لے لو، اس نے پوچھا، ابا جان! رسی اور چھری کس لئے لینی ہے؟ فرمایا: بیٹا! جب بڑے سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں، بیٹا سمجھا کہ شاید کسی جانور کو قربان کریں گے، یوں حضرت ابراہیمؑ اپنے لخت جگر کو قربان کرنے کے لئے گھر سے چل پڑے۔

جب وہ اپنے گھر سے چلے گئے تو پیچھے شیطان ملعون بی بی ہاجرہؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا، تجھے پتہ بھی ہے کہ آج تیرے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ انہوں نے پوچھا، کیا؟ وہ کہنے لگا، تیرا خاوند تیرے بیٹے کو ذبح کردے گا، انہوں نے کہا بوڑھے! تیری عقل چلی گئی، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا، ہاں، ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے، جب اس نے یہ کہا کہ ہاں ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے تو بی بی ہاجرہؓ کہنے لگیں، اگر اللہ کا حکم ہوا ہے تو میرے بیٹے کو قربان ہونے دو، کیونکہ اگر میرے بارے میں اللہ کا حکم ہوتا تو میں بھی اس کے راستے میں قربان ہونے کے لئے تیار ہوجاتی۔

جب شیطان کا بی بی ہاجرہؓ کے سامنے کوئی بس نہ چلا تو وہ راستے میں حضرت اسماعیلؑ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا، تم کہاں جارہے ہو؟ آپ نے فرمایا: کسی بڑے کی ملاقات کے لئے جارہا ہوں، وہ کہنے لگا، ہرگز نہیں، تجھے ذبح کردیا جائے گا، انہوں نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے، کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ کہنے لگا، ہاں اللہ کا حکم ہے، حضرت اسماعیلؑ کہنے لگے اگر اللہ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں، چنانچہ شیطان پھر ناکام ہوا۔

پھر راستے میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا، بیٹے کو کیوں ذبح کرتے ہو، کبھی خواب کے پیچھے بھی کوئی اپنی اولاد کو ذبح کرتا ہے، دیکھئے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا، لیکن آج تک اس کا نام رسوائے زمانہ مشہور ہے، اگر آپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کردیں گے، تو کہیں آپ کا نام بھی ایسے ہی برا نہ مشہور ہوجائے، لہٰذا ایسا کام ہرگز نہ کرنا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ارے بدبخت! معلوم ہوتا ہے کہ تو شیطان ہے، قابیل نے تو اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے بندے کو مارا تھا اور میں تو رحمانی خواب کو پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنا چاہتا ہوں، میرے خواب کا اس کے عمل کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ بھی نہیں ہے، قابیل تو عورت کا وصل چاہتا تھا اور میں پاک پروردگار کا وصل چاہتا ہوں، لہٰذا میں آج اپنے بیٹے کی قربانی دے کے دکھاؤں گا، اس کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ آگے بڑھے تو شیطان آکر راستے میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا، میں نہیں جانے دیتا، اس وقت انہوں نے سات کنکریاں اٹھا کر شیطان کو ماریں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں سے شیطان کو بھگادیا، جہاں اسے حضرت ابراہیمؑ نے کنکریاں ماریں اس جگہ کا نام جمرۂ اولیٰ پڑ گیا، پھر دوسری جگہ پر جاکر راستہ روکا اور حضرت ابراہیمؑ نے وہاں بھی اس کی رمی جمار کی، شیطان پھر بھاگ گیا، اس جگہ کا نام جمرۂ وسطیٰ پڑ گیا، پھر تیسری جگہ بھی اس کو کنکریاں لگیں اور اس جگہ کا نام جمرۂ عقبہ پڑ گیا، جمرۂ عقبہ سے آگے حضرت اسماعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا، ابا جان! آپ نے فرمایا کہ بڑے کی ملاقات کے لئے جانا ہے، بتائیے کہ اس بڑے کی ملاقات کب ہوگی؟ اب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی کہ ”یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی“ (الصافات: ۱۰۲) (اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کررہا ہوں، بتا تیری کیا رائے ہے؟) بیٹا بھی جد الانبیاء کے گھر کا چشم وچراغ تھا اور بعد میں منصب رسالت پر فائز ہونے والا تھا، اس لئے کم سنی کے باوجود سر تسلیم ختم کرتے ہوئے نہایت ہی ادب سے عرض کرنے لگے: ”یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ“ (الصافات: ۱۰۲) (اے ابا جان! کرگزریئے جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے، آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے)۔

سبحان اللہ! جب باپ کے دل میں محبت الٰہی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے تو پھر گھر کے دوسرے افراد کے اندر بھی اس کے نمونے نظر آتے ہیں، جب بیٹے نے یہ جواب دیا تو حضرت ابراہیمؑ ان کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے...

ابا جان! میں آپ سے چار باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: میرے بیٹے! تم مجھے بتاؤ کہ تم اس وقت مجھے کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا، ابا جان! پہلی بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ چھری کو اچھی طرح تیز کرلیجئے، ایسا نہ ہو کہ چھری کند ہو اور مجھے ذبح کرنے میں زیادہ وقت لگ جائے، مجھے جب اللہ کے نام پر ہی جان دینی ہے تو چھری تیز ہونے کی وجہ سے میری جان جلدی نکلے گی اور میں اللہ سے واصل ہوجاؤں گا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے چھری اور بھی تیز کرلی اور پوچھا، بیٹا! دوسری بات کونسی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا: ابا جان! میں چھوٹا ہوں، آپ مجھے رسی سے باندھ دیجئے۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور پوچھا، بیٹا! تیسری بات کونسی ہے؟ بیٹے نے عرض کیا: ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کریں گے تو آپ میرا چہرہ اوپر آسمان کی طرف نہ کرنا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے سجدہ کی حالت میں موت آئے، ویسے بھی جب آپ کی طرف میری پیٹھ ہوگی تو آپ کے دل میں محبت پدری بھی جوش نہیں مارے گی۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: بیٹا! میں یہ بھی کردوں گا، آپ اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ عرض کیا، ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کرچکیں تو آپ میرے کپڑے میری والدہ کو دکھادینا اور کہنا کہ آپ کا بیٹا اللہ کے نام پر کامیاب ہوگیا ہے“ حضرت اسماعیلؑ کی چوتھی بات پر حضرت ابراہیمؑ رو پڑے اور اللہ رب العزت سے فریاد کی: اے اللہ! آپ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دی اور اب اس معصوم بچے کی قربانی مانگتے ہیں، اے اللہ! اپنے خلیل پر رحم فرمانا اور اس بچے پر بھی رحم فرمادینا جو قربانی کے لئے تیار ہے۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری رکھ دی، وہ ان کو ذبح کرنا چاہتے ہیں مگر چھری ان کو ذبح نہیں کرتی، اللہ رب العزت نے جبرائیلؑ کو حکم دیا: ”اے جبرائیلؑ! جاؤ اور چھری کو تھام لو، اگر رگوں میں سے کوئی رگ کٹ گئی تو فرشتوں کے دفتر سے تمہارا نام نکال دوں گا“ چنانچہ جبرائیلؑ آکر چھری کو تھام لیتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ چھری کو چلانے کی پھر کوشش کرتے ہیں، لیکن چھری نہیں چلتی، پھر اپنا پورا بوجھ اس کے اوپر ڈال دیتے ہیں، مگر چھری نے بچے کو پھر بھی ذبح نہ کیا، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ غصے میں آکر چھری سے کہتے ہیں، اے چھری! تو کیوں نہیں چلتی؟ چھری نے جواب میں پوچھا: اے ابراہیمؑ خلیل اللہ! جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو آپ کو آگ نے کیوں نہیں جلایا تھا؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: آگ کو اللہ کا حکم تھا کہ میرے ابراہیمؑ کو نہیں جلانا، پھر چھری کہنے لگی: اے ابراہیم خلیل اللہ! آپ مجھے ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ گلے کو کاٹو اور اللہ تعالیٰ مجھے ستر مرتبہ کہہ رہے ہیں کہ ہرگز نہیں کاٹنا، اب بتائیں کہ میں گلا کیسے کاٹ سکتی ہوں۔

”اللہ رب العزت کی شان دیکھئے کہ اس نے حضرت اسماعیلؑ کو زندہ بچالیا اور ان کی بجائے ایک مینڈھا قربان ہوگیا، اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو محفوظ بھی فرمالیا اور فرمایا: ”وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ“ (الصٰفٰت: ۱۰۷) (اس کی جگہ ہم نے ایک بڑی قربانی دے دی)

حالات پر نظر رکھئے

محمد شفاء اللہ صدیقی ندوی

اکیسویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل دن بہ دن بد سے بدتر اور بدترین شکل اختیار کرتے چلے جارہے ہیں۔ملک میں فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی اس حدتک بڑھ چکی ہے کہ مدارس، عیدگاہیں، مزارات اور مساجد بھی اب غیر محفوظ معلوم ہورہی ہیں۔کوئی ریاست اب ایسی باقی نہیں رہ گئی ہے جہاں مسلم دشمنی کا بول بالا نہ ہواور وہاں کی سرکاری معاونت سے ہندو مسلم منافرت روز بہ روز بھیانک سے بھیانک تر شکلوں میں نظر نہ آرہی ہو۔قوم مسلم دفاعی اور اقدامی دونوں حوالوں سے نہایت بے بس نظر آرہی ہے۔مسلم معاشرہ میں تعمیری کام کم اور تخریبی زیادہ ہورہے ہیں۔ملک کو ہندو راشٹر بنانے کی پوری تیاری ہوچکی ہے۔بھگوا دھاری افراد شر پسندی پر آمادہ ہیں۔دکانیں مسلمانوں کی جلائی جارہی ہیں۔ڈاکے مسلمانوں کے ہی اداروں پر ڈالے جارہے ہیں۔غرض یہ کہ مسلمانوں کی تعلیمی، تنظیمی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی صورتحال اس رخ پر جاچکی ہیں کہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے الفاظ میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ''ایک ہی زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی۔درد بیچارہ پریشاں ہے کدھر سے اٹھے'' ملک کی موجودہ مرکزی حکومت اسلام دشمنی اور مسلم نفرت میں اپنی مثال کئی موقعوں پر قائم کرچکی ہے۔ستر سالوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ نہیں ہوا تھا وہ صرف 9 سالوں کی قلیل ترین مدت میں ہوچکا ہے۔دیرینہ مسلم دشمن اس حکومت نے اپنے چند ناپاک منصوبوں کی تکمیل میں خساست اور فرعونیت کے مظاہرے کرکے یہ ثابت کرچکی ہے کہ وہ ملک سے مسلمانوں کا قسطوں میں صفایا کرنا چاہتی ہے۔سی اے بی اور این آر سی اور اس کے علاوہ دیگر متعدد قوانین سے اس حکومت نے مسلمانوں کے حوالے سے اپنی منفی ارادے بالکل واضح کردیے ہیں۔حجاب پر پابندی کے بعد حلال ذبیحہ پر روک لگانے کی کوششوں میں ریاستی حکومتوں نے بھرپور ساتھ دے کر مسلمانوں کی لنچنگ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔رام نومی کے موقع پر بہار میں مختلف مقامات پر قرآن پاک کے بے شمار نسخوں کو نذر آتش کردیا ہے۔مسلمان قصوروار اور سزا یافتہ مجرم بے دریغ پولیس کی حفاظت میں قتل کردیا جاتا ہے۔اسلام کے خلاف زہر اگلنے والے کھلے عام پھرتے اور اپنے مذہبی عناصر کے تحفظ کی پرامن کوشش کرنے والے سلاخوں کے پیچھے بھیج دیے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا صورت حال میں جب جاگو تب سویرا کے مصداق مسلمانوں کو اپنے تشخص اور اپنے وجود کی جنگ خود لڑنی ہوگی۔انھیں ملک میں مساوی درجہ کا شہری بن کر رہنا ہوگا، آپس میں متحد اور سچا پکا مسلمان بن کر اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنا ہوگا۔سب سے پلے شام وروم کے یہودیوں کی خصلتوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا ہوگا۔اس کے بعد انھیں اپنی صفوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرکے، مضبوط اور نتیجہ خیز حکمت عملیاں تشکیل دینی ہوں گی، جب کہ حکومت وقت کے سازشی طریقوں کو ناکام بنانے کے لئے اپنے طویل مدتی مفادات کو پیش نظر رکھ کر ضروری حفاظتی اور دفاعی اقدامات کرنے ہوں گے۔رہبر انسانیت کتاب ''قرآن پاک'' میں پایا جانے والا ہر موجودہ مسئلہ کا حل جو دو دو چار کی طرح عیاں ہے اس لئے مسلمانوں کو اسی سمندر کی غواصی کرنی ہوگی۔اس نے دشمن اور اپنے مخالف سے مقابلے کی جو اصول بتائے ہیں ان پر سختی سے کاربند ہونا ہوگا۔چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ''اے ایمان والو! جب تمہاری کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ ہو، تو انھیں کبھی پیٹھ نہ دکھانا، اس دن جو پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔الا یہ کہ جنگی حکمت عملی کے تحت وہ کترا رہا ہو یا کسی گروہ کا تعاقب کر رہا۔وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور برا انجام ہوگا (سورہ انفال آیت 15اور 16)

قرآن پاک میں مسلمانوں کو اپنے وقت کے دشمنوں سے مقابلے کے لئے چھ سنہرے اور موثر اصول پیش کیے گئے ہیں۔اگر ان چھ اصولوں پر حقیقی معنوں میں عمل کرلیا جائے تو ہمارے سارے کے سارے مسائل آسانی کے ساتھ حل ہوجائیں گے۔وہ چھ کامیاب اور نتیجہ بخش اصول یہ ہیں: (۱) اے ایمان والو! جب تمہاری کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو، تو ثابت قدم رہو۔(۲) اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح یاب ہو۔(۳) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔(۴) اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ پسپا ہوجاؤ گے (اور ناکام ہوجاؤ گے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔(۵) اور صبر کرو (یعنی مضبوطی سے مقابلہ میں ڈٹے رہو) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(۶) اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جو اپنے علاقوں سے طاقت و دولت کے نشے میں نکلے اور لوگوں کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہوئے، اور اللہ کافروں کے کرتوتوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

ان اصولوں پر عمل کرنا اس وقت کے مسلمانوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔کیوں کہ موجودہ مرکزی حکومت مسلسل اپنے گذشتہ نو سالوں کے سابقہ سیاسی اور حکمرانہ رویوں سے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ ہندوستان میں صدیوں سے اپنے پرکھوں کی وراثتوں کو سنبھالے ہوئے ملت اسلامیہ کے نمائندوں اور پرامن طریقے پر بے ضرر زندگی گزارنے والے کروڑوں مسلمانوں کو اس ملک میں۔جس کے حقیقی وارث یہی مسلمان ہیں کہ ان کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اسی ارض ہند پر اتارے گئے تھے اور حضرت آدم نبی اور مسلم تھے اس اعتبار سے نسلی اور دینی دونوں پہلوؤں سے اس ملک کے وارث حقیقی یہی مسلمان ہیں- سے بے دخل کرنے اور انھیں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردینے کی خاطر کی جانے والی اپنی انتھک کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی دونوں زندگیوں کے سبھی ادوار سے متعلق تاریخی اور سیاسی احوال وکوائف کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ملک کے سبھی مظلوم طبقوں کو اپنے قافلہ انسانیت اور کاروان عدل وانصاف میں شامل کرکے مطلوبہ حکمت عملیوں کا زاد سفر لے کر میدان عمل میں پرعزم اور بے خطر اس طرح کود پڑیں کہ حکومت اپنی ہر طرح کی ظالمانہ حرکتوں سے نہ صرف یہ کہ باز آجائے بلکہ اُسے یہ اندازہ ہوجائے کہ ملک میں دیگر شہریوں کی طرح قوم مسلم بھی باعزت شہری ہے اور برابر کے حقدار ہیں۔منفرد سفر کرنے سے احتیاط برتیں۔حملہ آور بھیڑ کا منھ توڑ مقابلہ کریں۔ جہاں اور جس حال میں رہیں باطل اور مخالف اسلام طاقتوں کے خلاف منصوبہ بند طاقت ثابت ہوں۔ بقول ساحر لدھیانوی

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی

ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اپنے اس خوب صورت وطن ''ہندوستان'' کی سرسبزی وشادابی کے لئے زبان ہر وقت ان الفاظ میں دعا گو رہتی ہے کہ

خدا کرے کہ میری ارض ہند پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

اپنے رشتوں کی قدر کیجیے!

عالیہ نذر

رشتے اور مضبوط تعلقات خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اور زندگی کا وہ سرمایہ ہے جس سے بڑھ کر اور کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔قریبی اور گہرے تعلقات میں خلوص اور محبت شامل ہوتا ہے، جو ایک دوسرے کے قریب کھینچ لاتا ہے۔یہ رشتے ہماری زندگی میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں، اور ان رشتوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ان رشتوں کے بغیر زندگی ویران اور بے رونق ہوجاتی ہے، آج کے اس پرآشوب دور میں ہم سب کو ایک دوسرے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے، لیکن افراتفری کے اس دور میں رشتوں کا تقدس ختم ہوتا جارہا ہے، ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں مصروف ہے۔، مادیت پرستی اس حدتک بڑھ گئی ہے، کہ اس کے آگے رشتوں کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے، رشتے کمزور ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے، کہ ہم انہیں نبھاتے کم اور آزماتے زیادہ ہیں۔ہر کوئی ایک دوسرے سے شکوہ کناں رہتا ہے، ہم پرانی باتوں اور رنجشوں کو دل ودماغ سے نکالنے کی کوشش ہی نہیں کرتے، اور ان کا زہر ہمارے حال اور مستقبل کے رشتوں کو کھوکھلا کرکے رکھ دیتا ہے۔رشتہ کوئی بھی برا نہیں ہوتا، لوگ اچھے اور برے ہوتے ہیں، لوگوں کی سوچ اچھی اور بری ہوتی ہے، رشتے احساس اور محبت کے ہوتے ہیں۔جب کسی رشتے میں سچائی اور محبت نہیں ہوتی، تو رشتوں کو نبھانا مشکل ہوجاتا ہے، دلوں میں منافقت ہو تو یہ رشتے جھوٹ اور چالاکیوں کی موت مرجاتے ہیں۔

جب رشتوں میں ضد اور مقابلہ آجائے تو یہ دونوں جیت جاتے ہیں اور رشتہ ہار جاتا ہے، اس لیے رشتہ بچانے کے لیے اگر جھکنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ کہتے ہیں، ہمیشہ پھلدار شاخ ہی جھکتی ہے، اور اسی میں بڑا اپن ہے۔رشتے احساس کے ہوتے ہیں، اور احساس کے رشتے کسی دستک کے محتاج نہیں ہوتے، یہ تو خوشبو کی طرح ہوتے ہیں جو بند دروازوں سے بھی گزر جاتے ہیں۔احساس کی عدم موجودگی کی وجہ سے رشتوں میں جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی بھی پورا نہیں ہو پاتا۔

رشتوں کو نبھانے میں چند باتیں بہت اہم کردار ادا کرتیں ہیں۔جیسے قوت برداشت، بردباری، مثبت انداز فکر کا ہونا ضروری ہے، دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرنا رشتوں کو مضبوط بناتا ہے، کیونکہ ہر کسی میں خوبیاں اور خامیاں موجود ہوتیں ہیں، حسد بغض اور کینہ رشتوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیتا ہے، اس لیے دوسرے کی خوشی میں خوش رہنا سیکھیں، اس سے آپ کی اپنی زندگی سہل اور خوشگوار رہے گی۔والدین کو چاہیے کہ بچوں میں رشتوں کی قدر اور اہمیت کا احساس۔ پیدا کریں، ننھیال اور ددھیال کا فرق کیے بغیر رشتوں کا احترام سکھائیں۔

رشتے درختوں کی مانند ہوتے ہیں، بعض اوقات ہم اپنی انا کی تسکین کے لیے ان کو کاٹ دیتے ہیں اور گھنے سائے سے محروم ہوجاتے ہیں، رشتہ خون کا ہو، یا دوستی کا ہو، اپنے خلوص اور محبت سے ان کی آبیاری کرتے رہیں، جس طرح ایک پودے کو پانی مٹی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح رشتوں کو پنپنے کے لئے، مضبوط اور خوشگوار بنانے کے لیے احساس، پیار اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔رشتوں کی گہرائی کا احساس برتاؤ اور رویوں سے ہوتا ہے۔وقت، دوست اور رشتے انسان کو مفت میں ملتے ہیں، اور ان کی قدر ان کو کھونے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔اس لیے رشتوں کی قدر کیجیے، جب تک پیڑ سے لگے رہتے ہیں، سرسبز وشاداب رہتے ہیں، اور جب پیڑ سے علیحدہ ہوجاتے ہیں تو اپنا وجود کھودیتے ہیں۔اپنے رشتوں سے جڑے رہیں، کیونکہ انہی رشتوں کی محبت، خلوص اور چاشنی میں زندگی کی بقا ہے، زندگی خوشگوار ہے۔

حرف حق

ظاہرداری خدا کے یہاں نہیں چلتی!

مولانا شمس الحق ندوی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبہ کا حال ہر پڑھے لکھے شخص کو معلوم ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ان کے اقدام وفیصلہ کے خلاف کوئی قرآنی فرمان آجاتا تو فوراً رک جاتے، اور ''کان وقّافاً عند کتاب اللّٰہ'' کا مظاہرہ ہوتا، سارا غصہ اور تنبیہ کا جذبہ ختم ہوجاتا، ان کے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو رہنما خط کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری کسی چوک اور غلطی پر ٹوک دیا جائے، غلطی کی نشاندہی کی جائے تو غصہ بڑھ جاتا ہے، جو ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کرلیتا ہے، اتنا کہ اگر اسکا نقصان پورا ملت کو پہنچ رہا ہو تو اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ایک عرفی دین کے پابند ہوگئے ہیں، خاص قسم کی وضع قطع، اپنے کچھ معمولات ووظائف، تکلف وتصنع، اس خاص دائرہ سے ہٹ کر جو کچھ کریں، اس سے اس عرفی دین میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں اس پسِ منظر میں امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صرف ایک واقعہ ہماری آنکھیں کھولنے اور اپنے عرفی دین سے ہٹ کر سوچنے اور غور کرنے کا غیر معمولی سامان رکھتا ہے: ''ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ رات میں گشت کررہے تھے، ایک دروازہ کے سوراخ سے جھانکا تو ایک بوڑھے کو دیکھا، اس کے سامنے گانے والی لڑکیاں نظر آئیں، یہ دونوں حضرات دیوار پھاند کر بوڑھے کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا: تم جیسے بوڑھے کا اس حال میں ہونا کتنا برا ہے، بوڑھا کھڑا ہوگیا اور عرض کیا: امیر المومنین آپ کو میں قسم دیتا ہوں کہ جب تک میری بات نہ سن لیں میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہو کیا کہتے ہو، بوڑھے نے کہا کہ اگر میں نے ایک بات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین باتوں میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہ کون کون ہیں؟ اس نے کہا: ایک بات تو یہ کہ آپ نے تجسس کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے: ''وَ لَا تَجَسَّسُوْا'' [حجرات: 12] دوسری بات یہ کہ آپ گھر کے پیچھے سے کود کر گھر میں آئے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا'' [بقرہ: 189] (گھروں میں ان کے دروازہ سے آؤ)، یعنی ان کے پیچھے سے نہ داخل ہو، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا'' [بقرہ: 189] یعنی نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے داخل ہو۔ تیسری غلطی آپ نے یہ کی کہ بغیر اجازت آپ گھر میں تشریف لائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا'' [نور: 127] (اپنے گھروں کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو اور اہل خانہ کو سلام کرو)، اس بوڑھے نے جو آیات پڑھیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کمزوریوں کو خوب جانتا ہے، اس کو کھلے چھپے سب کا علم، لیکن اس نے بندوں کی پردہ داری کی کیسی ہدایت دی ہے۔

بوڑھے کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، کیا تم مجھ کو معاف کردو گے؟ بوڑھے نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، اس کے بعد حضرت عمرؓ باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ رو رہے تھے اور فرمارہے تھے: ہلاکت ہے عمر کے لئے، اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ فرمائی، اپنے کو مخاطب کرکے فرماتے تھے کہ تم جانتے ہو کہ آدمی ایسی حالت کو اپنے اہل وعیال سے بھی چھپانا چاہتا ہے اور یہ اب یہ کہے گا کہ مجھ کو امیرالمومنین نے اس حال میں دیکھ لیا۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہماری کسی غلطی پر اگر ٹوک دیا جائے تو ہم اپنی غلطی ماننے کے بجائے مزید غصہ اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہوجاتے ہیں، اور الٹے غلطی پر آگاہ کرنے والے ہی کو غلط سمجھتے ہیں، کاش ہمارے اندر خوف خدا اور یوم الحساب کا وہ شعور پیدا ہوجاتا، جس نے امیرالمومنین کو رلا دیا اور فرمارہے تھے کہ ہلاکت ہے عمر کے لئے، اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ فرمائی اگر تمہاری دینداری اپنی غلطی مان لینے پر آمادہ کرتی تو شاید امت کو ایسے برے دن نہ دیکھنے پڑتے جن سے وہ دوچار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ مخلص اور ربانی علماء کو چھوڑ کر جن سے دین وملت کا بھرم قائم ہے، ہم اپنے منصب سے بہت نیچے اتر آئے ہیں، بڑے رسوا کن کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہم طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہیں اور ذلت ورسوائی ہماری علامت بن کر رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے منکروں کی اتنی جلد پکڑ نہیں کرتے جتنی مسلمانوں کی، قرآن کریم کی تلاوت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی بے عملی وبدعنوانی سے غضب الٰہی اتنا نہیں حرکت میں آتا، جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں سے، اس لیے کہ کفار کے بارے میں تو کہہ دیا گیا: ''ان کو چھوڑ دو، یہ لگے رہیں باطل میں اور کھیل تماشوں میں اور باطل آرزوئیں ان کو غافل رکھیں، وہ عنقریب جان لیں گے (یعنی ان کا حساب آخرت میں پورا کیا جائے گا)۔'' لیکن مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے، ان کو جلد تنبیہ کی جاتی ہے کہ توبہ واستغفار کریں اور ان کاموں کو چھوڑ دیں جو ان کی شان کے خلاف ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ بے راہ روی نے ہمارے بہت سے خواص کو اس سطح تک پہنچا دیا ہے جس سطح پر ہمارے بہت سے ان پڑھ اور سادہ دل دینی وایمانی غیرت رکھنے والے عام مسلمان بھی جانا پسند نہ کریں گے، وہ اپنی بے راہ روی اور کمزوریوں کے باوجود اتنا نیچے اترنا گوارہ نہیں کرسکتے، حالانکہ اپنی آنکھوں سے عزت وشہرت اور مال ودولت کے پیاسوں کو پے بہ پے پانی کے بلبلوں کی طرح پھٹتے اور گم نامی کے غار میں جاتے دیکھ رہے ہوتے ہیں، پھر بھی اس کی طرف بھوکوں کی طرح لپکتے اور دوڑتے ہیں اور اپنے اس دینی وملی کردار کو داغ دار کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے قطب نما کا کام دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے اس آیت کریمہ کو ورد زبان بنانے اور اس دن کے تصور وخیال سے کانپ جانے اور اپنے مقام کو پہچاننے کی توفیق دیں۔ ارشاد ہے: ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر (اور) گواہ حاضر کیے جائیں گے، اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلا مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس (اللہ) کو سب کی خبر ہے''۔ (زمر: 70,69)

ہمارے بہت سے دین داروں کا حال یہ ہے کہ بعض اوقات مباحات کے استعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ یہ ہماری وضع کے خلاف ہے لیکن بے تکلف ایک مسلمان کی پردہ داری کرنے، فساد ذات البین اور تفریق بین المسلمین میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ دو ذمہ دار کو ایک دوسرے سے لڑا دیں۔ آگے کچھ لکھوں تو کیا لکھوں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ کے درد دل اور خواص امت کی حال زار پر جلن وکڑھن، کرب وبے کلی جو گویا آنسو بن کر کاغذ پر ٹپک پڑی ہے اسی کا خلاصہ نقل کرکے بات ختم کرتا ہوں، فرماتے ہیں: ''جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے، مثلاً غیبت، چغل خوری، اتہام، دروغ بافی، وہ ہماری مجلسوں میں دن رات ہوگی، یہ کیا ہے؟ یہ ظاہرداری خدا کے یہاں نہیں چلتی، وہ عالم السرائر و عالم الغیب ہے، وہ ظاہر سے دھوکہ نہیں کھاتا، مسلمان کی توہین اور عالم کی تذلیل حرام، بے تحقیق وبے ثبوت بات کہنا یا سن کر اس کو فوراً مان لینا اور اس کی اشاعت کرنا حرام۔

ہم ایک عرفی دین کے پابند ہوگئے ہیں اور جو چیزیں ہمارے عرف میں ناپسندیدہ نہیں ہیں، ہم بے تکلف ان چیزوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں جن سے بعض وقت پوری امت کو نقصان پہنچتا ہے، جن سے ایک متحد اور ہم مسلک جماعت میں سخت انتشار پیدا ہوجاتا ہے اور اس سے ان تمام مقاصد اور مسلک کو نقصان پہنچتا ہے جن کی یہ جماعت حامل اور داعی اور ان کی ایک علامت بن گئی ہے''۔

ملکی سیاست میں اخلاقی قدروں کا زوال

پروفیسر عتیق احمد فاروقی

ویسے تو ان دنوں اخلاقی قدروں میں گراوٹ کا اثر چوطرفہ دیکھا جارہا ہے لیکن گزشتہ کچھ برسوں سے ملک کی سیاست میں جس طرح کے ناقابل قبول الفاظ کا استعمال ہورہا ہے وہ ہندوستان کے کسی بھی باوقار شہری کو شرمندہ کرتا ہے۔ ایک مہذب معاشرہ میں کچھ لوگوں کی سیاسی امنگ کس حد تک حساسیت، سنجیدگی اور ہم آہنگی کو نقصان پہنچا سکتی ہے، وہ ملک روز بروز دیکھ رہا ہے۔ اس وقت انتخابات میں فتح کا پہلا زینہ دولت بن گیا ہے، وہ دولت چاہے جائز طریقے سے کمائی گئی ہو یا ناجائز طریقے سے۔ کارپوریٹر، رکن اسمبلی، رکن پارلیمان، وزراء جیسے متعدد آئینی عہدوں پر رہ چکے لیڈران کی تعداد لاکھوں میں تو ہوگی ہی۔ ایک بار اقتدار حاصل ہونے کے بعد ہٹایا جانا ان میں سے زیادہ تر لوگوں کیلئے قابل برداشت نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے اقتدار خود کی خدمت کیلئے حاصل کیا تھا، خدمت خلق کیلئے نہیں۔ ملک کے ہر کونے میں اس وقت کتنے ہی ایسے لوگ دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہر طرح سے کوشاں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اس وقت اقتدار سے دور ہیں، چاہے ان کا تعلق بی جے پی سے ہو یا کسی دوسری پارٹی سے، اس کیلئے نریندر مودی ہی ذمہ دار ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ سیاسی تناظر کو دو الفاظ میں سمیٹا جاسکتا ہے: اضطراب میں شدت پسندی۔ اس کی سب سے بڑی مثال دہلی کے وزیراعلیٰ اروند کجریوال ہیں۔ انا ہزارے کے نام پر ملی شہرت کے بعد بقول بی جے پی لیڈران انھیں اپنے تمام وعدے بھول جانے میں بالکل وقت نہیں لگا لیکن یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بی جے پی دو وجہوں سے کجریوال سے بری طرح ناراض ہے، اوّل، بی جے پی کی خامیوں پر وہ جرأت مندانہ تنقید کرتے ہیں۔ دوم، گزشتہ اسمبلی انتخاب میں دہلی بی جے پی کا گڑھ ہونے کے باوجود عآپ سے بری طرح ہاری تھی۔ کجریوال نے جو وعدے کئے تھے، اگر 100 فیصد نہیں تو 70 فیصد ضرور پورے کئے۔

ادھر کجریوال نے پڑھے لکھے لوگوں پر اپنی توجہ مرکوز کردی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان کا خود تعلیمی ریکارڈ و پیشہ شاندار رہا ہے۔ بی جے پی کی ان سے جلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ وہ آئی آئی ٹی کے بی ٹیک ہیں۔ بعدازاں انڈین ریونیو سروس میں ملازم رہے۔ ان کا ماننا ہے کہ وزیراعظم ودیگر وزراء کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے نریندر مودی کی ڈگری کا مذاق اڑایا لیکن اس کیلئے قصوروار امت شاہ بھی ہیں۔ انہوں نے جس جلد بازی سے مودی جی کی ایم اے پولیٹکل سائنس کی خوبصورت کمپیوٹرائز ڈگری نکلوا کر پریس کے سامنے پیش کردی اس سے لوگوں میں اس کے مشکوک ہونے کا گمان ہونے لگا ہے۔ دراصل نریندر مودی جی نے وزیراعظم بننے کے فوراً بعد ہی یہ واضح کردیا تھا کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ جوابی کارروائی کے تحت بی جے پی والوں نے عآپ کے ایک وزیر پر فرضی ڈگری رکھنے کا الزام لگایا ہے جس کی تردید کجریوال نے کی ہے۔ دونوں ہی فریق فرضی ڈگری کا استعمال کرنے کیلئے ملک سے معافی مانگنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

میری نظر میں فرضی ڈگری کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے، اخلاقی اقدار کا زوال زیادہ اہم ہے۔ پہلے کے لیڈران اور آج کے لیڈران میں زمین/ آسمان کا فرق ہے مثلاً پہلے کے لیڈران چاہے ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے ہو پارٹی کے اصولوں کے تئیں ان کے ارادے پختہ ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ اقتدار کی خاطر انہوں نے کبھی پارٹی تبدیل نہیں کی۔ پارٹی کے چھوٹے موٹے نیتا تو سطحی اور غیر معیاری تبصرہ کردیا کرتے تھے / لیکن بڑے لیڈر، وزراء اور وزیراعظم اپنا وزن قائم رکھتے تھے، غیر سطحی بات کبھی نہیں کرتے تھے۔ ہر ایشوز پر واضح موقف رکھتے تھے اور اگر حکومت ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتی تھی یا اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آتا تھا جس سے حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگتا ہو تو حکومت سے وابستہ لوگ یا حزب مخالف کے متعلق اراکین استعفیٰ دینے میں نہیں ہچکچاتے تھے۔ (بقیہ صفحہ: ۱۰/ پر)

پاکستان کے سابق وزیراعظم عمران خان کی ضمانت منظور

اسلام آباد ہائی کورٹ کی جانب سے القادر ٹرسٹ کرپشن کیس میں عمران خان کو دو ہفتوں کی ضمانت دے دی گئی ہے۔اس عدالتی فیصلے کے ساتھ ہی پاکستان کے سابق وزیراعظم کی ایک مرتبہ پھر گرفتاری کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ سماعت سے قبل چیئرمین پاکستان تحریک انصاف عمران خان نے گرفتاری کے خدشے کے پیشِ نظر اپنی لیگل ٹیم سے بھی مشاورت کی تھی۔عمران خان نے اپنے وکیل حامد خان سے رابطہ کر کے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ پنجاب پولیس انہیں گرفتار کرسکتی ہے۔اس موقع پر عمران خان نے عدالت کے اندر ہی میڈیا سے غیر رسمی بات چیت کے دوران کہا تھا کہ اگر ان کی ضمانت منسوخ ہوئی تو وہ مزاحمت نہیں کریں گے اور گرفتاری دے دیں گے۔عمران خان کی ہائی کورٹ میں آمد سے پہلے سکیورٹی کے انتظامات انتہائی سخت کر دیے گئے تھے۔گزشتہ روز سپریم کورٹ نے عمران خان کی رہائی کا حکم دیتے ہوئے ان کو آج اسلام آباد ہائی کورٹ میں پیش ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔اس سے ایک روز قبل انہیں رینجرز نے گرفتار کرلیا تھا،جس کے بعد ملک بھر میں احتجاجی مظاہروں اور ہنگاموں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ان احتجاجی مظاہروں کے دوران خاص طور پر فوجی املاک کو نشانہ بنایا گیا اور ملکی فوجی قیادت کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔(ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

چین میں بدعنوانی میں ملوث ایک لاکھ سے زائد افراد کو سزائیں

نئی دہلی میں واقع انڈو پیسفک سینٹر فار اسٹریٹیجک کمیونیکیشن (آئی پی سی ایس سی) نامی تھنک ٹینک نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ چینی حکومت نے رواں برس کے پہلے سہ ماہی کے دوران انسداد بدعنوانی مہم کے تحت 111000 افراد کو سزائیں دیں۔ان میں صوبائی سطح کے حکام کے علاوہ شعبہ جاتی سطح کے 633،ضلعی سطح کے 1000، جنرل کیڈر کے 15000 افراد شامل ہیں۔ان کے علاوہ دیہی علاقوں اور تجارت سے وابستہ 76000 ایگزیکیوٹیو کو بھی بدعنوانی میں ملوث ہونے کے جرم میں سزائیں دی گئیں۔خیال رہے کہ چین کی حکمراں کمیونسٹ پارٹی نے سن 2012 میں اپنی 18ویں قومی کانگریس کے بعد شی جن پنگ انتظامیہ نے ملک میں بڑے پیمانے پر انسداد بدعنوانی مہم شروع کر رکھی ہے۔اس مہم کے تحت اب تک جن 'بدعنوان' افسران کو سزائیں دی گئی ہیں ان میں ریاستی سطح کے افسران، ریاستی سطح کے نائب افسران، ملٹری کمیشن کے اراکین، وزارتی سطح کے افسران اور وزارتی سطح کے نائب افسران شامل ہیں۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ چین میں ڈسپلن پر نگاہ رکھنے اور نگرانی کرنے والی ایجنسیوں کو پہلے سہ ماہی کے دوران پورے ملک میں 7 لاکھ 76 ہزار درخواستیں اور رپورٹیں موصول ہوئیں ان میں سے دو لاکھ 31 ہزار شکایتوں اور الزامات کے متعلق تھیں۔شکایتوں کی بنیاد پر جن اہم اور سینئر عہدیداروں کے خلاف تفتیش کی گئی ان میں پارٹی کی قیادت گروپ کے ایک رکن ڈوزاو چائی اور چین میں اسپورٹس کی جنرل ایڈمنسٹریشن کے ڈپٹی ڈائریکٹر لی زیاو پینگ کے علاوہ پارٹی کمیٹی کے سابق سکریٹری اور چائنا ایور برائٹ گروپ کمپنی کے چیئرمین شامل ہیں۔گزشتہ ماہ مرکزی کیڈر کے تین افسران کو برطرف کر دیا گیا تھا جب کہ 120 سے زائد چینی کمیونسٹ پارٹی اراکین اور شعبہ جاتی کیڈر پر جرمانہ عائد کیا گیا تھا۔(ایجنسیاں)

فلسطینی علاقوں میں شہریوں کی ہلاکتیں،اقوام متحدہ کی طرف سے مذمت

اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل انٹونیو گوٹیریش نے فلسطین میں شہریوں کی ہلاکتوں کو "ناقابل قبول" قرار دیا۔ انہوں نے غزہ سے اسرائیل پر اندھا دھند راکٹ داغنے کی بھی مذمت کی۔اسرائیلی فوج اور اسلامی جہاد نے جمعرات کے روز بتایا کہ اسرائیلی فورسز نے جنوبی غزہ میں ایک عمارت پر فضائی حملے کر کے فلسطینی عسکریت پسند گروپ اسلامی جہاد کے ایک اعلیٰ کمانڈر کو ہلاک کر دیا۔اسرائیلی فوج کا کہنا ہے کہ اس نے اسلامی جہاد کے راکٹ لانچنگ یونٹ کے سربراہ علی غالی اور دو دیگر عسکریت پسندوں کو خان یونس میں ایک رہائشی کمپلکس میں نشانہ بنایا۔اسرائیلی فوج نے مزید کہا کہ غالی نے حالیہ مہینوں میں اسرائیل کے خلاف راکٹ حملوں کی ہدایت دی تھی اور ان میں حصہ لیا تھا۔غزہ میں فلسطینی محکمہ صحت کے حکام کا کہنا ہے کہ حالیہ لڑائی کے دوران عسکریت پسندوں اور شہریوں سمیت 20 سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل انٹونیو گوٹیریش نے شہریوں کی ہلاکتوں کو فوراً روکنے کی اپیل کی۔اقوام متحدہ کے نائب ترجمان فرحان حق نے کہا کہ انہوں نے تمام فریقین سے زیادہ سے زیادہ تحمل کا مظاہرہ کرنے کا مطالبہ کیا۔(ایجنسیاں)

امریکی سینیٹر کا پاکستان کی صورتحال پر اظہارِ تشویش

امریکی سینیٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے چیئرمین باب مینڈیز نے پاکستان کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حالات کو معمول پر لانے کی کوششوں کی حمایت کرتے ہیں۔غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق باب مینڈیز نے پاکستان میں انٹرنیٹ کی فوری بحالی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ انٹرنیٹ کی بندش معلومات تک رسائی کے بنیادی حق سے عوام کو محروم رکھنے کے مترادف ہے۔سینیٹر باب مینڈیز نے مزید کہا کہ پاکستان کی صورت حال پر سخت تشویش ہے۔ حالات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔کشیدگی کے خاتمے کی کوششوں کی حمایت کریں گے۔قبل ازیں امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان ویدانت پٹیل نے بھی پریس بریفنگ میں ایک سوال کے جواب میں پاکستان میں انٹرنیٹ کی بندش کو معلومات تک رسائی کے حق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے ہم منصبوں کے ساتھ گفتگو میں انسانی حقوق اور میڈیا کی آزادی سمیت اہم امور پر بات کی ہے۔ویدانت پٹیل نے کسی ایک جماعت کو پسند یا ناپسند کرنے کے تاثر کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ہی کیا دنیا میں کہیں کوئی پسندیدہ امیدوار یا جماعت نہیں۔ پاکستان میں مضبوط جمہوریت امریکہ کے مفاد میں ہے۔ہم وہاں صرف جمہوری اقدار اور قانون کا احترام چاہتے ہیں۔(نیوز ایکسپریس پی کے)

شعبہ انگریزی و پروفیشنل اسکلز جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں داخلہ

جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر سرزمین ہند کا ایسا انقلابی ادارہ ہے جس نے زمانے کی ضرورتوں کو محسوس کرتے ہوئے نئے اقدامات کئے ہیں اور ملت کی ضرورتوں کا حل امت کے سامنے پیش کیا ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق نئے کورسز متعارف کروائے ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی جامعہ میں قائم ہونے والا نیا کورس دو سالہ ''ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ پروفیشنل اسکلو'' ہے۔

حالات کا تقاضہ ہے کہ ہمارے فارغین کے اندر مستند علم کے ساتھ ساتھ عملی مہارت بھی ہو تا کہ وہ ایک طرف قوم مسلم کی فکری و علمی رہنمائی کر سکیں اور دوسری طرف اپنی اسکلز کے ذریعے سوشل ورک اور رفاہی خدمات بھی انجام دے سکیں، انہیں تقاضوں کے پیش نظر اس کورس کو بنیادی طور پر چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1- بنیادی مہارتیں: جس میں زبان (انگریزی، عربی، ہندی) ریاضی (ریشیو، جیومیٹری، الجبرا، شماریات) سائنس (تصورات عمل، طریقہ کار) ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، مالیاتی مہارتیں (اکاؤنٹنگ، بجٹ، بینکنگ، مالیاتی رپورٹس) وغیرہ شامل ہیں۔

2- مفاد عامہ جس کے تحت آپ کو آئینی و قانونی معلومات بسرکاری دستاویزات بنانے کے طریقوں اور سرکاری اسکیمز سے واقف کرایا جائے گا۔

3- مائنڈ سیٹ اور کیریکٹر: جس کے تحت اسلامی فکر، اسلامی درلڈ ویو، اور اسلامی و غیر اسلامی اقدار کے حوالے سے مؤثر تربیت دی جائے گی۔

4- تعلیم و تعلم کی مہارتیں: اس عنوان کے تحت تعلیمی نظریات، تدریسی طریقہ ہائے کار، نصاب سازی، اور درس گاہوں کو موثر بنانے کے طریقے سکھائے جائیں گے۔

5- ثقافتی رسائی، اس موضوع کے تحت تقابل ادیان، الحاد و مغرب کی تفہیم اور ثقافتی افہام و تفہیم کے مؤثر طریقوں سے روشناس کرایا جائے گا۔

6 مینجمنٹ پروجیکٹ مینجمنٹ، آپریشنز مینجمنٹ، پروسیس مینجمنٹ، پروڈکٹ اور سروس ڈیزائن، کوالٹی مینجمنٹ، مسابقت ،حکمت عملی اور پیداواری صلاحیت کے گر سکھائے جائیں گے۔اور باضابطہ طور پر فیلڈ ورک کے ذریعے عوام میں رہ کر کام کرنا سکھایا جائے گا ان شاء اللہ

شرائط داخلہ: کسی بھی مدرسے کے دورہ حدیث، تکمیلات و تخصصات سے فارغ طلبہ اس کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔یا جو کسی بھی بورڈ سے دسویں یا اس کے مساوی کورس مکمل کر چکے ہوں۔فارم بھرنے کی آخری تاریخ 20 شوال ہے،25 شوال کو داخلہ امتحان ہوگا۔

داخلہ امتحان سے پہلے سابقہ مدرسے کا تصدیق نامہ، دسویں کی سرٹیفکیٹ اور دورہ حدیث کے امتحان کا نتیجہ جمع کرنا ہوگا، نیز آدھار کارڈ یا ووٹر آئی ڈی کی فوٹو کاپی بھی پیش کرنی ہوگی۔

مزید معلومات کیلئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔700433793،7070552322

مانو پالی ٹکنیک کڑپہ میں داخلوں کا دعوت نامہ

آپ تمام حضرات کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا پانی نلنیک ادارہ شہر کڑپہ میں 2018ء سے کارکردگی انجام دے رہا ہے۔اس پالی ٹکنیک میں تین سالہ ڈپلومہ کورسیس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چار کورسیس ہیں، سیول انجینئرنگ، میکانیکل انجینئرنگ، الیکٹریکل اینڈ الکٹرانک انجینئرنگ، اپاریل ٹکنالوجی۔ یہ کالج نزد نیوریمس کڑپہ میں واقع ہے۔آپ حضرات اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو تکنیکی تعلیم سے آراستہ کروا کر ان کا مستقبل روشن کریں۔فارمس کے داخلے کی آخری تاریخ 28 مئی 2023ء ہے اور داخلہ امتحان مانو پالی ٹکنیک کڑپہ کے کیمپس میں ہی ہوگا اور داخلہ بہت ہی کم فیس پر مقرر ہے۔

داخلے کی اہلیت: دسویں کلاس بذریعہ اُردو زبان ہو، یا دسویں کلاس میں ایک Subject اُردو ہو یا جو حضرات بارویں کلاس یا 2+10 یا ITI کیے ہوئے ہوں، انہیں پالی ٹکنیک کے دوسرے سال میں داخلہ مل سکتا ہے۔مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل نمبرات پر ربط کریں۔

9398083058,8897677388,8897677388,9441502351

نقیب ــــــ ایک قاری کی نظر میں

''مفتی (محمد ثناء الہدیٰ قاسمی) صاحب جب سے (نقیب کے) مدیر با اختیار بنائے گئے، اس کے معنوی و ظاہری رنگ روپ میں نکھار آ گیا ہے، یہ اخبار مجھے مولانا وحیدالدین خاں کی ادارت میں جمعیۃ علماء ہند کے اخبار ''الجمعیۃ'' کے ''جمعہ ایڈیشن'' کی یاد دلاتا ہے، گو ہمارے نقیب کا معیار الجمعیۃ کے جمعہ ایڈیشن سے بھی بڑھا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجھے نقیب کا ہر ہفتہ انتظار رہتا ہے، مفتی صاحب کے سوانحی خاکے پُرکشش اسلوب تحریر کے ساتھ سفینۂ عبرت بھی ہوتے ہیں، میں سطر سطر پڑھتا ہوں، ان کا حاصل مطالعہ (اچھپا تیں کے تحت) اور بلا تبصرہ اتنا مختصر اور پُراثر ہوتا ہے کہ مجھے داد دینی پڑتی ہے، مفتی صاحب کی قدیم روایت کی پابندی یعنی مرحومین کی مرثیہ خوانی (یادوں کے چراغ میں نظر آتی ہے) کبھی ملی شخصیات کے زندہ افراد پر تو اپنے قلم کی جولانی دکھاتے، ان پر غصہ بھی آتا ہے کہ اتنی خوبصورت پُراثر تحریر کیوں لکھتے ہیں، اللہ کرے مفتی صاحب کا زورِ خطابت، طلاقت لسانی، اسلوب نگارش، مثبت فکر و خیال کے شیریں انداز تحریر، ان کا فکر و ادراک، فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی جاری رہے، باقی رہے'' (یادوں کی بہار: ص 417، مصنفہ مولانا وصی احمد شمسی)

قضاۃ کرام صادق اور امین بن کر کارِ قضاء انجام دیں: حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی

ضلع بھاگل پور کے میر جعفری (نوگچھیا) میں افتتاح دارالقضاء کے موقع پر حضرت امیر شریعت کا پرمغز خطاب

مولانا مظہر سراج قاضی مقرر

دارالقضاء کا وجود اس سرزمین پر اللہ کی رحمت اور اسلامی نظام عدل کی بین علامت ہے۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم سب کا فریضہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کریں اور اگر ہمارے درمیان کوئی نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کے احکام کے ذریعہ حل کرائیں، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کا ایک اہم حصہ دارالقضاء ہے، دارالقضاء ایسی جگہ ہے، جہاں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق معاملات کا حل کیا جاتا ہے۔اس لیے ہم سب کو چاہئے کہ اپنے عائلی معاملات دارالقضاء کے ذریعہ حل کرائیں۔یہ باتیں امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ العالی نے 8 مئی 2023 روز سوموار کو نوگچھیا بلاک، ضلع بھاگل پور کے **محلّہ میر جعفری** میں دارالقضاء امارت شرعیہ کے قیام کے موقع پر منعقد اجلاس عام سے خطاب کرتے ہوئے کہیں۔

انہوں نے کہا نوجوان نسل کے اندر الحاد کے بڑھتے ہوئے رجحان پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ الحاد سے بچنے کے لیے اللہ پر یقین ضروری ہے، اس کے لیے قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے۔آپ نے تمام لوگوں کو دعوت دی کہ قرآن سمجھ کر پڑھیں اور اپنے اندر قرآن فہمی کا ذوق پیدا کریں۔آپ نے دارالقضاء کے قیام کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ۴ر کروڑ کیس ہندوستان کی عدالتوں میں پینڈنگ میں ہیں، جن میں روزانہ دو ہزار کیس کا اضافہ ہوتا ہے، بعض بعض ایسے معاملات سامنے آئے جہاں 24 سال کے بعد طلاق کا معاملہ حل ہوا۔انصاف کا دیر سے ملنا بھی بے انصافی ہے، اس لیے جلد اور آسانی کے ساتھ انصاف کے حصول کے لیے دارالقضاء کا قیام ضروری ہے، دارالقضاء اور دنیوی کورٹ میں فرق ہے، وہاں دولت اور وقت کا خرچ ہے جو دارا لقضاء میں نہیں ہے، دارا لقضاء میں فیصلہ اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق ہوتا ہے، اس لیے اس میں رحمت اور برکت ہے۔یہ صرف طلاق اور نکاح کے فیصلہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ آپ کے ہر قسم کے شرعی اور سماجی مسائل کے حل کا مرکز ہے۔آپ نے نومنتخب قاضی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ امین وصادق بن کر کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت پیدا ہوگی۔

نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب نے ارتداد کی لہر کو روکنے کے لیے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، انہوں نے صحابہ کرام کے ایمان واستقامت کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ آج ایمان والوں کے دلوں میں بزدلی پیدا ہوگئی ہے، اس لیے ان کا دبدبہ ختم ہو رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ خاندانوں اور برادری کا اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ سے ہمارا شیرازہ بکھر رہا ہے، آج تعصب ونفرت کی وجہ سے ہم کمزور پڑ رہے ہیں۔اس لیے اپنے اندر کلمہ کی بنیاد پر اتحاد واتفاق پیدا کریں اور ہر قسم کے تعصب اور تنگ نظری کو ختم کریں۔

مولانا قاضی محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنا جملہ فرائض میں سے اہم اور ساری عبادتوں سے اشرف عبادت ہے، انبیاء اور رسولوں کی بعثت اسی لئے ہوئی اور خلفائے راشدین ہمیشہ اس کے ساتھ مشغول رہے۔انصاف کا قیام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء کی عظیم سنت ہے، انصاف کو عام کرنے کا حکم تمام انبیاء کو دیا گیا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں تمام علاقوں میں قاضی مقرر کیے تاکہ انصاف عام ہو اور انسانیت کو روحانی سکون میسر ہو۔اس لیے امارت شرعیہ کا بھی جب 1921ئمیں قیام عمل میں آیا تو سب سے پہلے دارالقضاء قائم کیا گیا کیوں کہ نظام امارت شرعیہ کی بنیاد ہی حق وعدل پر رکھی گئی ہے، امارت شرعیہ کا شعبۂ دارالقضاء یہاں کے پورے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ اس سے مظلوموں کو انصاف اور مستحقین کو ان کا حق ملتا ہے اور ایک صالح اور پرامن معاشرہ کا وجود عمل میں آتا ہے۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں، اور اپنے معاملات بالخصوص نکاح، طلاق، خلع، وراثت ودیگر خاندانی ومعاشرتی مسائل کا تصفیہ شریعت اسلامی کے مطابق کرائیں۔

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ نے امارت شرعیہ کی تاریخ پر روشنی ڈالی، امراء شریعت کی خدمات کو بیان کیا اور ان کی قربانیوں کو یاد دلایا، انہوں نے متبنیٰ بل، نس بندی کے قانون، نفقۂ مطلقہ وغیرہ کے سلسلہ میں امارت شرعیہ کے اکابر کی محنتوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔آپ نے اتحاد امت اور قرآن کریم پر عمل کے موضوع پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ قرآن ہر مشکل کی آخری دوا ہے، جن کے پاس قرآن جیسی نعمت ہو انہیں دوسروں کے سامنے کاسۂ گدائی لے کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔انہوں نے دارالقضاء کی اہمیت وضرورت پر بھی روشنی ڈالی اور لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے ہر قسم کے نزاعات کا حل دارالقضاء سے کرائیں۔آپ نے تلک جہیز، شراب نوشی جیسی سماجی برائیوں کے سد باب پر بھی گفتگو کی۔

مولانا مفتی مجیب الرحمٰن قاسمی معاون قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ نے تمہیدی خطاب میں امارت شرعیہ کی اہمیت وضرورت اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی، مفتی محمد الیاس قاسمی نے اسلام کے نظام طلاق پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اس کی حکمتوں کو بیان کیا، مولانا مفتی رضی احمد رحمانی ندوی قاضی شریعت مونگیر نے دارالقضاء کی توسیع میں امیر شریعت کی خدمات کا تذکرہ فرمایا، جبکہ مولانا مفتی خورشید انور قاسمی قاضی شریعت بھاگل پور نے اسلام کے نظام قضاء پر مدلل گفتگو کی۔اجلاس کی نظامت کے فرائض مفتی عبدالغفور مظاہری ومفتی عبدالوہاب ندوی نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ماسٹر نزاکت صاحب ناظم مدرسہ تعلیم القرآن میر جعفری نے حالات حاضرہ پر نظم پیش کیا۔

اس موقع پر امارت شرعیہ سے تربیت یافتہ عالم دین مولانا مظہر سراج قاسمی صاحب کو دارا لقضاء میر جعفری، ضلع بھاگل پور کا قاضی شریعت مقرر کیا گیا، حضرت امیر شریعت نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پورے مجمع کے سامنے سند قضا دیتے ہوئے ان کے قاضی ہونے کا اعلان کیا اور ان کے سر پر دستار قضا باندھی۔آپ نے انہیں کار قضا میں عدل ومساوات برتنے، تقویٰ اختیار کرنے، مامورات کی انجام دہی اور منہیات سے بچنے کی وصیت بھی کی۔

اجلاس میں جناب حاجی سعید احمد، حافظ احتشام رحمانی، مفتی عبدالغفور مولانا اسلم رحمانی وغیرہ بھی شریک ہوئے، ان کے علاوہ قرب وجوار کے علماء ودانشوران، سیاسی وسماجی شخصیات اور عام لوگوں کی بڑی تعداد اجلاس میں شریک ہوئی اور علماء کرام کے پرمغز خطابات سے مستفیض ہوئی۔حضرت امیر شریعت مدظلہ نے دوران خطاب اجلاس کو کامیاب اور با مقصد بنانے کے لیے کوشاں مولانا عبدالوہاب ندوی، ماسٹر محمد نزاکت صاحب ناظم مدرسہ تعلیم القرآن میر جعفری، محمد ثناء اللہ صاحب سابق سرپنچ میر جعفری، محمد عمر فاروق صاحب لوک عدالت میر جعفری، محمد استخار صاحب ممبر مدرسہ تعلیم القرآن میر جعفری، حاجی عابد صاحب ودیگر سرگرم افراد کا شکریہ ادا کیا۔آخر میں حضرت امیر شریعت کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

حضرت امیر شریعت کی ندوۃ العلماء اور رائے بریلی حاضری

حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ کے انتقال پر اہل خانہ اور ذمہ داران ندوہ سے ملاقات اور اظہار تعزیت

امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر نے حضرت مولانا رابع حسنی ندوی علیہ الرحمہ کے وصال پر اظہار تعزیت کے لیے رائے بریلی اور لکھنؤ کا خصوصی سفر کیا، حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم نے اپنے رفقاء کے ساتھ اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی کے شہر تکیہ پہنچ کر حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ کے بھتیجے حضرت مولانا جعفر صاحب ندوی سے خصوصی ملاقات کی اور تعزیت پیش کی، پھر وہاں سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچے اور ذمہ داران ندوہ سے بھی ملاقات کرکے تعزیت کا اظہار کیا۔اس سفر میں حضرت امیر شریعت کے برادر خورد جناب فہد رحمانی صاحب سی ای او رحمانی تھرٹی بھی موجود تھے-واضح رہے کہ حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ تکیہ میں ہی مدفون ہیں۔اس موقع پر حضرت امیر شریعت نے کہا کہ حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ کی شخصیت عالمی تھی۔ان کے انتقال سے نہ صرف ندوہ کا نقصان ہوا ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا بڑا خسارہ ہوا ہے۔ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں اور غم میں برابر کے شریک ہیں۔اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔اور ان کے درجات بلند کرے، آمین، حضرت کے انتقال سے پوری ملت اسلامیہ کو گہرا صدمہ پہونچا ہے، آپ کی شخصیت مرجع کی حیثیت رکھتی تھی، خانقاہ رحمانی سے ان کا اور ان کے خانوادہ کا گہرا گھریلو تعلق رہا ہے-حضرت امیر شریعت نے حضرت مولانا بلال حسنی ندوی صاحب ناظم ندوۃ العلماء سے بھی ملاقات کی۔انہوں نے امید کا اظہار کیا کہ ان شاء اللہ، مولانا دامت برکاتہم ندوہ کو اپنے بزرگوں کے نہج پر آگے بڑھائیں گے۔اس موقع پر ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساتذہ حضرت مولانا عبدالعزیز بھٹکلی اور حضرت مولانا شمیم احمد رحمانی سے بھی حضرت امیر شریعت کی ملاقات ہوئی۔انہوں نے ان تمام بزرگوں سے دعائیں لیں اور تعزیت مسنونہ پیش کی۔واضح رہے کہ خانقاہ رحمانی اور جامعہ رحمانی سے ندوۃ العلماء کا گہرا تعلق اور مضبوط رشتہ رہا ہے۔دونوں اداروں کے بانی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ہیں۔قیام ندوہ سے ہی حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ کے خانوادہ سے خانوادہ رحمانی کا خصوصی تعلق رہا ہے۔اسی بنا پر حضرت امیر شریعت نے مونگیر سے لکھنؤ کا سفر کیا اور حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ کے اہل خانہ اور ندوہ کے ذمہ داران واساتذہ کرام سے خصوصی ملاقات کرکے تعزیت پیش کی۔

دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ رضا نگر گون پورہ میں تعلیمی وتربیتی افتتاحی پروگرام

مورخہ ۱۹/شوال المکرّم ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۰/مئی ۲۰۲۳ء بروز بدھ ۹ بجے صبح سے ساڑھے بارہ بجے دن تک مسجد دارالعلوم الاسلامیہ میں تعلیمی وتربیتی افتتاحی پروگرام منعقد ہوا۔جس میں امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب القاسمی دامت برکاتہم کے علاوہ قائم مقام ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب، جناب مولانا محمد انظار عالم قاسمی صاحب قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ، جناب مولانا مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی صاحب قاسمی مفتی امارت شرعیہ، جناب مفتی محمد سہراب ندوی قاسمی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ، جناب مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ، جناب مولانا مفتی وصی احمد قاسمی صاحب قاسمی نائب قاضی امارت شرعیہ جناب مولانا سہیل احمد ندوی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ وسکریٹری دارالعلوم الاسلامیہ مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ جناب مولانا مفتی یحیٰ غنی صاحب کی دعوت پر یہ سارے علماء کرام تشریف لائے اور سبھی حضرات نے طلبہ دارالعلوم الاسلامیہ کو قیمتی نصیحتیں فرمائیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلبہ اس بات پر اللہ تعالی کا شکریہ ادا کریں کہ وہ ایسے ادارے میں داخل ہوے ہیں جس کی نسبت امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ کی طرف ہے جس کا خواب امیر شریعت رابع حضرت مولانا محمد منت اللہ رحمانی صاحب نور اللہ مرقدہ نے دیکھا تھا اور جس کی بنیاد قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحب اور دیگر اکابر امارت شرعیہ نے رکھی ہے۔اور اس بات پر بھی شکریہ ادا کریں کہ آپ باصلاحیت اور مستند اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل کریں گے، اپنے آپ کو تعلیم وتربیت کے لیے وقف کرلیں، اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے پڑھنے پڑھانے آیے ہیں، مسلسل اور بھرپور محنت کریں، اپنے اندر کسی بھی فن میں اختصاص پیدا کریں، اساتذہ اور آلات علم کا احترام کریں، اپنے اساتذہ اور بڑوں کی اطاعت کریں، ہر گناہ سے اجتناب کریں، اعمال صالحہ اور دعاؤں کا اہتمام کریں، فکر سجاد کو اپنائیں اور پوری دنیا میں اس کو پہونچانے کا عزم کریں۔جناب مولانا سہیل احمد ندوی صاحب سکریٹری دارالعلوم الاسلامیہ نے بھی کچھ باتیں ارشاد فرمائیں اور تمام آئے ہوئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔حاضرین میں شیخ الحدیث مفتی شکیل صاحب، مفتی نیر صاحب، مفتی آفتاب عالم صاحب قاسمی کے علاوہ اساتذہ وطلبہ دارالعلوم الاسلامیہ وکارکنان امارت شرعیہ پروگرام میں شریک ہوئے اخیر میں حضرت نائب امیر شریعت کی دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔تمام مہمانان اور طلبہ کی جناب قائم مقام ناظم صاحب نے ظہرانہ کی دعوت کی۔

تعلیمی سفر میں شارٹ کٹ اور آسان راستہ چننے سے مشکلیں بڑھتی ہیں آسان نہیں ہوتیں: حضرت امیر شریعت

جامعہ رحمانی میں نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب کا انعقاد، جدید وقدیم طلبہ سے اساتذہ کرام کا علمی وروحانی خطاب

امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم سرپرست جامعہ رحمانی، مونگیر نے خانقاہ رحمانی میں منعقد نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں جدید وقدیم طلبہ سے خصوصی خطاب فرمایا، طلبہ سے اپنے فکرانگیز خطاب میں حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ اساتذہ کا احترام طلبہ پر لازم ہے۔ احترام کا مطلب یہ نہیں کہ استاذ کے سامنے سر جھکا کر ان کے ہر حکم پر لبیک کہا جائے اور استاذ کے باہر نکلتے ہی حکم کی خلاف ورزی کردی جائے۔ انہوں نے طلبہ کو بے حد دلچسپ انداز میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر طلبہ یہ سوچتے ہیں کہ مثلاً حساب ان کے لیے مشکل ہے لہٰذا وہ حساب نہیں سیکھ سکتے، لیکن اگر اس کے مقابلہ میں وہ یہ سوچ لیں کہ انہیں آج حساب مشکل لگ رہا ہے لیکن جب تک وہ اس میں بہتر نہیں ہو جاتے تب تک وہ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ مقابلوں میں حصہ نہیں لیں گے کیوں کہ وہ اس میں جیت حاصل نہیں کر سکتے لیکن اگر اس کے بالمقابل وہ یہ سوچ لیں کہ ممکن ہے کہ اس کامپیٹیشن میں ان کی شکست ہو جائے گی تاہم اس مقابلہ کی تیاری میں ان کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا اس لیے وہ اس میں حصہ لیں گے۔ وہ فطری کھلاڑی نہیں ہیں اس لیے نہیں کھیل سکتے لیکن اس کے برعکس اگر وہ یہ سوچ لیں کہ وہ فطری کھلاڑی نہیں ہیں لیکن مشق کے ساتھ بہتر ہو سکتے ہیں۔ وہ تیز نہیں پڑھ سکتے اس لیے نہیں پڑھیں گے، اس کے مقابلہ میں اگر وہ یہ سوچ لیں کہ وہ تیز نہیں پڑھ سکتے لیکن اساتذہ سے طریقہ سیکھ کر مشق کر سکتے ہیں۔ وہ کسی خاص کام کو انجام نہیں دے سکتے اس لیے کہ وہ کام بہت مشکل ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر وہ یہ سوچ لیں کہ یقیناً یہ کام مشکل ہے لیکن وہ اسے چھوٹے چھوٹے حصہ میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کو الگ الگ حل کر سکتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کام کو پورا کر سکتے ہیں۔ یہی جامعہ رحمانی کی فکر ہے جسے طلبہ کو اپنے دل میں بسانا چاہیے اور اسی نہج پر محنت کرنی چاہیے اور عملی طور پر اسے برتنا چاہیے۔

حضرت امیر شریعت نے مزید فرمایا کہ تعلیمی میدان میں جو طلبہ آسان اور شارٹ کٹ راستہ اختیار کرتے ہیں، دراصل وہ سب سے طویل اور مشکل راستہ ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے ناکامی کا سامنا کرتے ہیں۔

جناب مولانا جمیل احمد صاحب مظاہری ناظم تعلیمات جامعہ رحمانی، مونگیر نے اپنے پرمغز افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ طلبہ کو اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسی عظیم نعمت کے حصول کے لئے منتخب کیا ہے جس نعمت کو کسی طاقت، وجاہت اور مال کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، وہ نعمت اللہ کی عطا کردہ علم کی نعمت ہے۔ مولانا موصوف نے مزید کہا کہ انہیں ناظم تعلیمات کی عظیم ذمہ داری دی گئی ہے جسے انہوں نے قبول کیا ہے اور عہد کرتے ہیں کہ پوری ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ اپنے نائب اور معاون جناب مولانا صالحین صاحب ندوی کے ساتھ بحسن وخوبی نبھائیں گے۔

حضرت امیر شریعت سے قبل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب رحمانی نے طلبہ کو اشعار اور واقعات کی روشنی میں اپنے مختصر مگر جامع ناصحانہ کلمات سے سرفراز فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ مدارس کے طلبہ کے لیے دنیا کا کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے، اور جامعہ رحمانی کا نصاب قدیم وجدید نظامِ تعلیم کا حسین امتزاج ہے لہٰذا طلبہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ خوب محنت اور لگن کے ساتھ پڑھ کر اپنے اندر غیر معمولی صلاحیت پیدا کریں۔

جامعہ رحمانی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی اظہر صاحب مظاہری نے اپنے جامع خطاب میں احادیث کی روشنی میں طلبہ کو قیمتی نصیحتیں کیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن طلبہ کو علم دین کے لیے منتخب کیا ہے انہیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ کثرت مطالعہ، اوقات کی پابندی اساتذہ سے چمٹے رہنا طلب علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہٰذا طلبہ کو علم کے حاصل کرنے میں پابندی اور مضبوطی کے ساتھ ان باتوں پر خصوصیت سے عمل کرنا چاہیے۔

جامعہ رحمانی کے استاذ حدیث جناب مولانا مفتی ریاض احمد صاحب قاسمی نے اپنے پرجوش خطاب میں فرمایا کہ جامعہ رحمانی میں طلبہ کے لئے آئے دن نت نئے پروگرامز اور کورسیز عالمی تجربہ کے بعد مفید ترین طریقہ تدریس اور طریقہ تعلیم کے ساتھ زمینی حقیقت کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس جدوجہد کا پورا پورا کریڈٹ سرپرست محترم امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل صاحب رحمانی دامت برکاتہم کو جاتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ طلبہ نے اولیاء اللہ اور اکابرین کی سرزمین پر قدم رکھا ہے، اس لیے ان پر لازم ہے کہ باادب رہیں، باادب رہیں گے تو بانصیب رہ کر جائیں گے، بے ادبی یا گستاخی ہوگی تو بے نصیب ہو کر جائیں گے۔

جامعہ رحمانی کے ناظم تعلیمات برائے امور طلبہ مولانا محمد خالد صاحب رحمانی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ضوابط، اصول یا قوانین بنتے نہیں ہیں بلکہ بنائے جاتے ہیں تاکہ نظم وضبط قائم رہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو جگہ جس چیز کے لئے متعین کی گئی ہے اس جگہ وہی کام ہو، مسجد نماز پڑھنے کی جگہ ہے یہاں نماز پڑھنا ہے، اسی طرح مدارس علم حاصل کرنے کی جگہ ہے اس لیے مدرسہ میں صرف اور صرف علم حاصل کرنا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری سرگرمی یہاں انجام نہیں دینی ہے۔ اس عزم کے ساتھ اگر طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے فرائض انجام دیں گے تو یہ ہر لحاظ سے نفع بخش ہوگا۔

جناب مولانا مفتی معین کوثر صاحب قاسمی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اللہ تعالی نے ان طلبہ کو جس ادارہ میں بھیجا ہے وہ انتہائی بافیض ہے اس کے بافیض ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ الحمدللہ جامعہ رحمانی نے اپنے قیام سے لے کر اب تک تسلسل کے ساتھ علمی، دینی، ملی، روحانی اور تحریکی خدمات انجام دی ہیں اور انشاء اللہ تعالی یہ مبارک سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

پروگرام کا آغاز جامعہ رحمانی کے استاذ جناب مولانا قاری محمد وسیم اختر قاسمی کی تلاوت کلام اللہ سے ہوا۔ تلاوت کے بعد مولوی محمد ضیاء الدین رحمانی نے مسحورکن نعت پاک پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔

پروگرام میں جامعہ رحمانی کے تمام طلبہ واساتذہ دلجمعی کے ساتھ اخیر تک شریک رہے۔ جامعہ رحمانی کے ترجمان چینل فکر ونظر کے چیف ایڈیٹر فضل رحمٰن رحمانی کی نگرانی میں چینل کے نیوز ایڈیٹر مولوی محمد شاہد رحمانی اور نمائندہ مولوی محمد شاہنواز راہی اور مولوی محمد محبوب عالم رحمانی نے پورا پروگرام کوور کیا جسے فکر ونظر چینل پر نشر کیا گیا ہے۔

اخیر میں حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کی پرسوز دعاء کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔

ضلع مدھوبنی میں تنظیم امارت شرعیہ مدھوبنی کے زیر اہتمام خواتین کا دینی اجتماع

معاون ناظم مولانا احمد حسین قاسمی صاحب کی اطلاع کے مطابق امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ العالی کے حکم پر ضلع مدھوبنی کے لکھنور بلاک کے سونرے گاؤں میں 21 /شوال جمعہ کے بعد مومنات میں ایمانی جذبہ بیدار کرنے اور ارتداد کی لہر سے بچانے کے لئے خواتین کا اجتماع ہوا۔ پہلے چھوٹی بچیوں نے کلمہ طیبہ کا مذاکرہ کرایا پھر ایمان کی عظمت واہمیت کی احادیث پڑھ کر سنائی گئیں، اخیر میں ایمانیات کی ضروری مختصر باتیں بتا کر دعا کردی گئی۔ الحمدللہ عورتیں بڑے ذوق وشوق سے تقریباً ایک سو کی تعداد میں شریک مجلس ہوئیں اور ہر ہفتہ اس مجلس کو لگانے کا مشورہ دیا۔ جناب مولانا مفتی انوار قاسمی صدر تنظیم امارت شرعیہ مدھوبنی نے کئی بلاکوں کے ذمہ داروں سے گذارش کی ہے کہ اس طرح کے اجتماعات منعقد کریں۔ کئی پنچایتوں میں تیاریاں شروع کردی گئی ہیں۔ مدھوبنی ضلع کے تمام ذمہ داران تنظیم امارت شرعیہ، علماء ونقباء حضرات سے مخلصانہ گذارش کی جاتی ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں جلد از جلد خواتین کے اجتماع کا نظام شروع کردیں تاکہ تنظیمی کام مزید آگے بڑھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

خیال رہے کہ مسلم بچیوں میں بڑھتی ہوئی ارتداد اور الحاد کی لہر سے ملت کا ہر فرد فکرمند ہے، امارت شرعیہ کی کوشش ہے کہ خواتین کو دین کی طرف راغب کیا جائے، ان کے دلوں میں ایمان واسلام کی اہمیت بٹھائی جائے، امارت شرعیہ ارتداد و الحاد کے اس فتنہ کے سدباب کے لیے کئی پہلوؤں سے کام کر رہی ہے۔ اسی کی ایک کڑی خواتین کا اجتماع بھی ہے۔ اس سے قبل بھی تحریکی انداز میں خواتین کے دینی اجتماع کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ جس کا مثبت اثر سامنے آیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑے پیمانے پر ضلع، بلاک اور پنچایت سطح پر خواتین کے اجتماعات کیے جائیں اور انہیں دین کی بنیادی باتوں سے واقف کرایا جائے تو ان شاء اللہ اس فتنہ کو روکنے میں کامیابی ملے گی۔

بقیہ: ملکی سیاست میں اخلاقی قدروں کا زوال..........

آج کے لیڈران، وزراء اور یہاں تک کہ وزیراعلیٰ و وزیراعظم سیکولر اصولوں کے خلاف مذہب کے نام پر ووٹ مانگ رہے ہیں ایک مخصوص فرقہ کے لوگوں پر نشانہ سادھ رہے ہیں۔ تقطیب کیلئے کیسے کیسے تبصرے کئے گئے: ''دیش کے غداروں کو گولی مارو.... ''شاہین باغ تحریک کے حوالے سے کہا گیا،''وہ کپڑوں سے پہچانے جاسکتے ہیں''،''ای وی ایم کا بٹن ایسا دباؤ کہ کرنٹ شاہین باغ میں لگے''۔ وزیراعلیٰ 80 اور 20 فیصد کی باتیں کرتے ہیں، شمشان اور قبرستان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ستیہ پال ملک کے پلوامہ حادثہ سے متعلق بیان دینے کے بعد بھی کوئی شرمندگی کا احساس نہیں۔ رافیل گھوٹالے اور سب سے بڑھ کر حکومت وقت کے قریبی دوست اڈانی کے بیس ہزار کروڑ روپئے کے گھوٹالے کے انکشافات کے بعد حکومت کے کسی رکن کی طرف سے کوئی استعفیٰ نہیں آیا۔ اس کے برخلاف اگر آزاد ہندوستان کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ کرشنا منن نے وزیراعظم کے کہنے پر 1962 میں چین سے شکست کے بعد استعفیٰ دے دیا تھا۔ لال بہادر شاشتری نے ایک ریل حادثہ کے سبب ریلوے وزیر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس وقت کے یوپی کے وزیراعلیٰ وشیوناتھ پرتاپ سنگھ نے ان کے اپنے بھائی کے قتل کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ یوپی میں ڈاکٹر جلیل فریدی نے اردو کے مدعوں پر لجسلیٹیو کاؤنسل کی رکنیت چھوڑ دی تھی۔ وزیراعظم جواہر لعل نہرو تو اتنے فراخ دل تھے کہ انہوں نے دوسری پارٹی کے اراکین کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی کابینہ میں جن سنگ کے لیڈر شیاما پرساد مکھرجی کو شامل کیا تھا۔ انہوں نے اٹل بہاری باجپئی کو ہندوستان کی نمائندگی کیلئے اقوام متحدہ کی کانفرنس میں بھیجا تھا۔ جواہر لعل نہرو نے جمہوریت اور سیکولرازم کے کٹر حامی ہونے کے ناطے کبھی انتقام کی سیاست نہیں کی۔ انہوں نے مخالفین کو دبانے کیلئے کبھی آئینی ادارے ای ڈی، سی بی آئی، انکم ٹیکس محکمہ، عدلیہ یا الیکشن کمیشن کا استعمال نہیں کیا۔ موجودہ حکمرانوں کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ آج ملک کا میڈیا گودی میڈیا بن چکا ہے۔ حکومت سے سوال کرنے کی اس میں جرأت نہیں ہے، الٹے وہ حزب مخالف سے ہی سوال کرتا ہے۔

آج کرناٹک کے الیکشن میں جس طرح تقطیب کا عمل حکمراں جماعت کے ذریعے دیکھنے میں آیا اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ حجاب، تین طلاق، مسلمانوں کا ریزرویشن اور کامن سول کورڈ کو لیکر خوب سیاست ہو رہی ہے۔ بجرنگ دل کے جو لوگ گائے کے تحفظ کے نام پر لنچنگ کر رہے ہیں، ان کے قصیدے پڑھے جا رہے ہیں۔ سیاسی ریلیوں میں 'جے شری رام اور جے بجرنگ بلی' جیسے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ حکومت کے سب سے بڑے عہدیدار کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے اہم سرکاری کاموں کو چھوڑ کر ایک ریاست کے الیکشن میں وہاں دس دن قیام کر کے الیکشن کی تشہیر کرے۔ مجھے نہیں یاد ہے کہ آزاد ہندوستان میں کسی وزیراعظم (بشمول اٹل بہاری باجپئی) نے اقتدار بچانے کیلئے اس طرح کے کام کئے ہوں۔ ان سب کے پیچھے جو سبب کارفرماں ہے وہ ہے اخلاقی قدروں کا زوال۔ ہمیں عوام کو بیدار کرنے ہوگا کہ چاہے وہ کسی پارٹی کو ووٹ دیں، لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ پارلیمان میں وہ ایسے ہی لوگوں کو بھیجیں جو پڑھے لکھیں ہوں، ان کے کوئی مجرمانہ ریکارڈ نہ ہوں، وہ ایماندار اور اصول پسند ہوں اور ان کے دل میں آئین کا احترام ہو۔

یاد رکھئے کہ بچے ہماری رعایا ہیں

فاطمہ عنبرین

ہم میں سے اکثر لوگ جب والدین اور اولاد کی بات کرتے ہیں تو والدین کے حقوق اور اولاد کے فرائض تو ہماری انگلیوں کے پوروں پر ہوتے ہیں لیکن ہم میں سے اکثر اولاد کے حقوق فراموش کر دیتے ہیں۔ جبکہ ذمہ داری دینے والے نے جب والدین کو ذمہ دار بنایا ہے تو انھیں پوری پوری تاکید کی ہے۔ ایک مسئلہ بہت اہم ہے کہ بچوں کو والدین کی تربیت نہیں کرنا ہوتی ہے بلکہ والدین کو اولاد کی تربیت کرنی ہوتی ہے تو عموماً وہ اپنے حقوق کی بات تو اولاد کو ازبر کروا دیتے ہیں لیکن انھیں یہ شعور نہیں دیتے کہ بچوں کے کیا حقوق ہیں؟ بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک غلام ہبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ (ﷺ) نے دریافت فرمایا:: کیا تو نے ہر بیٹے کو ایک ایک غلام ہبہ کیا ہے؟" بشیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر اس غلام کو واپس لے لے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (صحیح بخاری)

"اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔" کتنے والدین ہیں جو یہ بات یاد رکھتے ہیں؟ محبت پر پکڑ نہیں کہ یہ دل کا معاملہ ہے لیکن اگر بیانصافی کی تو پکڑ ہے یہ بھی بتانا ضروری ہے اولاد کو کہ تمہارے کیا حقوق ہیں؟ ورنہ یہ مسئلہ آگے جا کر بالخصوص لڑکیوں کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ موضوع بہت زیادہ تفصیل چاہتا ہے، لیکن آج ہمیں جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ کیا والدین کے حقوق کے ساتھ کچھ فرائض بھی ہیں؟ اگر ہیں تو کیا فرائض کو احسان کہہ کر جتانا مناسب ہے؟ جس طرح اللہ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ والدین کے سامنے اف بھی نہ کرے بالکل ایسے ہی سورہ لقمان میں والدین کو بتایا گیا کہ اولاد کی تربیت کس نہج پر کرنی ہے۔ انھیں بتائیں کہ شرک نہ کریں والدین کے ساتھ احسان کریں انھیں بات کرنے کا ڈھنگ سکھائیں، کس طرح سکھانا ہے یہ بھی بتا دیا، غرور کرنے سے کیسے بچنا ہے؟ منہ بگاڑ کر بات نہیں کرنا، نیکی کی تعلیم دینی ہے برائی کو روکنا ہے یہ سب والدین بتائیں اپنی اولاد کو۔ یہ ذمہ داری بتائی گئی ہے والدین کی، اولاد کے فرائض اپنی جگہ لیکن والدین کی کوئی معمولی پکڑ نہیں ہے غلط تربیت پر۔ حدیث مبارکہ ہے: "**کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته**" ترجمہ: تم میں سے ہر شخص حکمران ہے، اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔

ہمیں بتایا گیا کہ ہر انسان اپنی ذات کے اندر حکمران ہے اور اسکی کچھ نہ کچھ رعایا ہے جو اس کا حکم مانتی ہے، اور اس رعایا کے حقوق اور انکے استعمال کے بارے میں قیامت میں حکمران جواب دہ ہوگا۔ جیسے سلطنت کے حکمران جواب دہ ہونگے، اگر شوہر ہے تو بیوی اسکی رعایا ہے، ماں یا باپ ہے تو بچے رعایا ہیں بڑا بھائی ہے تو چھوٹے رعایا ہیں اور ہر عام و خاص انسان کے اعضاء و جوارح بھی اسکی رعایا ہیں ہاتھ اور پاؤں اسکی مرضی سے کام کرتے ہیں دماغ مرضی سے سوچتا ہے، ان کے استعمال پر بھی سوال ہوگا بلکہ انسان کی صلاحتیں بھی اسکی رعایا ہیں، اللہ قیامت کے دن پوچھینگے کہ تمہیں فلاں صلاحیت دی تھی، اسلیئے دی تھی کہ مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ، تم نے کتنا فائدہ پہنچایا؟ اسی طرح دنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے۔ اپنی رعایا سے کام لو۔ اور انکے حقوق کا خال رکھو۔ یعنی پکڑ سے بچنے کی نیت رکھی جائے اور موقع ملتے ہی احسان جتانے کا کام نہ کیا جائے۔ بچوں کی تربیت اپنے مفاد کے لیے نہ کی جائے حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے **إِنَّمَا لِكُلِّ امرءٍ مَا نَوَى** آدمی کے لیے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی، تو تربیت تو کرنی ہے لیکن اللہ کی پکڑ سے بچنے کی نیت کر کے ہی فرائض کی ادائیگی کی جائے تو بہترین ہے۔ اگر اولاد کی تربیت کرتے ہوئے نیت اللہ کے احکام کے مطابق فرائض کی ادائیگی ہے تو اللہ پاک قبول فرمانے والا ہے، مبارک ہو دنیا بھی آپ کی آخرت بھی آپ کی، اگر نیت ایک اچھی قوم کی تربیت میں حصہ ڈالنا ہے تو یقیناً ایک اچھی قوم کا عکس نظر آنے لگے گا لیکن اگر نیت صرف اپنے بڑھاپے کا سہارا مضبوط کرنا ہے یا اولاد کو اپنے قبضے میں رکھنا ہے اپنی محبتوں اپنی خدمتوں کا حساب لینا ہے تو معزز والدین! آپ کو یہ سب شاید مل جائے لیکن اللہ کی رضا مندی آپ کھو دیں گے اور جب اللہ کی رضا کھو دی تو دل کا سکون بھی غارت! آپ نے بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوائی ہے یا معاشرے میں اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ سکھایا ہے تو یہ سب آپ نے اپنے فرائض پورے کیے، بدلہ تو صرف اللہ سے ہی طلب کیجیے اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہوئے خیال رکھیں کہ عزت نفس آپ کی ہے تو اولاد کا بھی اتنا ہی حق ہے کہ اسکی عزت نفس کا پاس رکھا جائے اسے محبت اور تعظیم سے مخاطب کیا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کا اکرام و احترام کرو اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ'' (ابن ماجہ)

اپنی اولاد کو ایک مخصوص عمر کے بعد آزاد چھوڑ دیجیے آپ کے ساتھ سلوک میں آپ کے ساتھ جُڑے رہنے میں آپ کی تابعداری میں آپ کی عزت و تکریم میں! اگر آپ نے اللہ کی رضا کے لیے بہترین تربیت کی ہے تو اللہ کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا، آپ کی اولاد کی قسمت ہے آپ کے بتائے ہوئے سنہری اصولوں پر چلی تو آپ کی ہی طرح دنیا و آخرت سنوار لے گی ورنہ جو اسکی قسمت۔ زندگی میں ایک اصول ہمیشہ یاد رکھیں بچے ہماری رعایا ہیں لیکن بچپن کی حد تک! جب وہ تعلیم مکمل کر لیتے ہیں تو پھر جاب ہو یا شادی ان معاملات میں آپ ایک اچھے مشیر ضرور بنیں لیکن ڈکیٹیٹر نہ بنیں، اب آپ کی حکمرانی کا وقت ختم ہوا اب اولاد کے عمل کی جوابدہی کا وقت شروع ہوا اور ہر انسان کی طرح یہ اختیار اللہ نے اسے بھی دیا ہے کہ وہ اپنے لیے خیر کا راستہ چنتا ہے یا شر کا۔ آپ اس کے لیے صرف دعا کرنے والے بن جائیں کسی بھی موقع پر اگر آپ کو اس سے کوئی تکلیف بھی پہنچی ہے تو الفاظ اچھے ادا کیجیے غصے میں بد دعا اور کوسنے مت دیں یہ محض شیطان کا ڈھونگ ہے کہ والدین دل سے بد دعا نہیں دیتے الفاظ کی قبولیت کا وقت ہوا تو دعا ہو یا بد دعا مقبول ہو جاتی ہے۔ ایک واقعہ جو یقیناً سب نے سنا ہوگا لیکن وہی بات کہ دہراتے رہنے سے یادداشت اچھی رہتی ہے۔

اِمام حرم عبدالرحمٰن السدیس ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک لڑکا ہوا کرتا تھا، اپنے ہم عُمر لڑکوں کی طرح شرارتی اور چھوٹی موٹی غلطیاں کرنے والا۔ مگر ایک دن شاید غلطی اور شرارت ایسی کر بیٹھا کہ اُسکی ماں کو طیش آ گیا، غصے سے بھری ماں نے لڑکے کو کہا (غصے سے بپھر جانے والی مائیں الفاظ پر غور کریں) لڑکے کی ماں نے کہا؛ چل بھاگ اِدھر سے، اللہ تجھے حرم شریف کا اِمام بنائے۔ یہ بات بتاتے ہوئے شیخ صاحب پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، ذرا ڈھارس بندھی تو رندھی ہوئی آواز میں بولے؛ اے اُمت اِسلام، دیکھ لو وہ شرارتی لڑکا میں کھڑا ہوا ہوں تمہارے سامنے اِمام حرم عبدالرحمٰن السدیس۔ تو والدین کی دعائیں تو عرش ہلا دیتی ہیں اور جب عرش والا سن رہا ہے تو انسانوں سے کیا توقع؟ چاہے وہ اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ احسان کر کے احسان جتانے سے منع کیا گیا ہے چاہے آپ نے وہ احسان کسی مسکین پر ہی کیوں نہ کیا ہو تو اپنی اولاد پر تو آپ کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں جو اللہ نے آپ کے دل کو اولاد کی محبت سے چُور کر کے آپ کو کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پھر احسان جتانے کا اور اپنی ہیرے موتی جیسی نیکیاں گنوانے کا کیا فائدہ؟ اگر تربیت اچھی کر دی ہے تو شکر ادا کیجیے کہ اللہ نے اہل بنایا کہ بس وہی چاہے تو انسان اہل ہوتا ہے ورنہ تو ایسا نا اہل کہ اولاد بھی جم کر کھڑی ہوتی ہے اور پوچھتی ہے " آپ نے ہمارے لیے کیا ہی کیا ہے؟ جو بھی کیا وہ تو آپ کا فرض تھا" اس وقت سوچ میں پڑ جاتے ہیں والدین کہ اس اولاد کے لیے کرتے رہے سب کچھ؟ تو بہتر ہے پہلے ہی اِس اولاد کے بجائے اُس رب العٰلمین کے لیے کیجیے جو پُر خلوص محنتوں پر ہی راضی ہو جاتا ہے، اسے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے۔ (انقلاب: ۲۵ر جولائی ۲۰۱۸ء)

ناقابلِ فراموش واقعات وشخصیات

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ

اپنے ہوش کی آنکھیں جب کھلیں تو سمجھئے کہ اس بیسویں صدی کے شروع کا زمانہ تھا۔ ادبی فضا پر حکمراں اس وقت دو شخصیتیں تھیں ایک شبلی دوسرے شرر۔ سنجیدہ علمی فکر میں واقعاتی قسم کے ادبیات کے فرمانروا شبلی نعمانی تھے۔ علی گڑھ کے سابق استاد عربی الفاروق کے نامور مصنف اور بڑے بڑے اہم اور معرکے کے مقالوں کے مقالہ نگار- ان انگلیوں نے جب سے قلم پکڑنا سیکھا۔ روش اعظم گڑھ کے اس مرد عظیم کی دل کو بھائی اور پیروی اس رئیس القلم کی اپنے کو سرمایۂ فخر وافتخار نظر آئی۔ سرسید کی زندہ شخصیت کا آفتاب ابھی ابھی غروب ہوا تھا اور اس چراغ سے اپنا چراغ جلا کر خود کو اسے چمکتا دمکتا بنا دینے والے مولانا شبلی کے علاوہ کچھ اور بھی تھے جیسے حالی، نذیر احمد اور محمد حسین آزاد، احترام ان سب کا پیش رہا۔ لیکن حالی کی سادگی خشکی کے ڈانڈے چھوتی ہوئی نظر آئی اور آزاد کی فلک پیما تخیلی بلند پروازی کے آگے ہمت نے ہتھیار ڈال دیئے بقول شخصے بھاری پتھر چوم کے چھورا، اپنے ظرف و بساط کے مطابق اور غنیمت ایک نذیر احمد ہی نظر آئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شبلی کے بعد اگر کسی کے دربار سے کچھ فیض تھوڑا بہت حاصل ہوا تو وہ نذیر احمد ہی تھے۔ قرآن مجید کے مترجم اور مبتلا اور نصوح، عظمت اور ہریالی، اصغری اور اکبری کے چلتے پھرتے کرداروں کے خلاّق، جب سن اور آیا اور دماغ کو کالج کی ہوا لگی تو دیکھا کہ قضائے ادب میں ایک نیا جھنڈا ابوالکلام آزاد کا لہرانا شروع ہوا ہے۔ اس تنومند کی پہلوانی اور شہ زوری دیکھ کر زبان پر واہ واہ تو بے اختیار آئی لیکن دل و دماغ سے مشورہ کیا تو ہمت ان کی راہ پر قدم اٹھانے کی نہ پائی۔ ادھر انگریزی تعلیم نے دماغ میں طرح طرح کی آزادیوں اور آزاد خیالوں کی ہوا بھری۔ ہل اور ہکسلے وقت کے بازار حقیقت میں چلتے ہوئے سکے تھے۔ انہیں اپنانے اور انکا چربہ اتارنے میں ہاتھ نے خوب خوب اپنی صفائی دکھائی، افلاطون، ارسطو، ولیم جیمس اور ہنری، برکسان کی جیبوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کی نوبت کہیں کہیں آ گئی۔

دو الگ الگ دھارے، ایک دوسرے کے متوازی بہ رہے تھے ایک دھارا ذرا اونچے علمی قسم کے بحثوں، موضوعوں کا، اس میں تو دلیل راہ شبلی نعمانی ہی رہے۔ کہنا چاہیے شروع سے آخر تک کیا الندوہ کا اڈیٹر اور کیا الکلام کے مصنف کی حیثیت سے۔ اور دوسرا دھارا ہلکے پھلکے افسانہ وشعر وشاعری کے ادبیات کا۔ اس دوسرے قافلے کے میر کارواں شرر صاحب ایک عرصۂ دراز تک رہے، معہ اپنے رومانی ماہنامہ دلگداز اور اپنے ناولوں مقدس نازنین، فردوس بریں، حسن انجلینا اور فلورا فلورنڈا کے؛ لیکن اس مملکت کی میری وسرداری تنہ شرر صاحب کے حصے میں زیادہ عرصہ تک نہ رہی اور دوسرے بھی ان کی امارت میں حصہ لگاتے گئے۔ ان میں سے ایک تو وہی مشین اور مقطع نذیر احمد تھے۔ جن کا نام بھی دو منٹ پہلے سن چکے ہیں، دوسرے راشد الخیری نکلے۔ ان کا نمبر بھی کچھ کم نہ رہا۔ دردرقت انگیزی کے گویا بادشاہ تھے۔ مصور غم جس کسی نے کہا وہ واقعی مردم شناس تھا۔ تیسری ایک اور البیلی شخصیت خواجہ حسن نظامی کی نمودار ہوئی باغ و بہار نامی ایک چھپی چھپائی کتاب کے نام سے تو آپ بھی واقف ہوں گے۔ یہ خواجہ صاحب اپنے قلمی چونچلوں کے لحاظ سے خود ایک مجسم باغ و بہار بلکہ سدا بہار نکلے۔ یہ سارے نام دلی والوں کے ہوئے لیکن اپنے ذہن نے نقش ان سے بھی گہر لکھنؤ اور جوار لکھنؤ والوں کا قبول کیا، فسانۂ آزاد والے رتن ناتھ سرشار، اودھ پنچ والے سجاد حسین کاکوروی، ریاض الاخبار والے ریاض خیرآبادی اور شعر وظرافت کے تاجدار حضرت اکبر الہ آبادی زبان کے یہ سب استاد تھے اور ان ناموروں کے علاوہ ایک صاحب گمنام سے اور بھی تھے مولوی سید علی اصغر کینگ کالج لکھنؤ- اورنٹیل ڈپارٹمنٹ کے استاد- یہ تھے عربی کے معلم لیکن درجے میں تذکرے اکثر اردو شعر وادب کے چھڑ جاتے اور یہ لکھنوی زبان کے نکتے چٹکلے خوب خوب بیان کر جاتے۔ لیکن غالب کا نام مولانا کے لئے ایک چڑھ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم شاگردوں کو یہ نسخہ اچھا ہاتھ آ گیا تھا۔ جس روز بھی سبق کا ناغہ منظور بس نام غالب کا لے دیا۔ اب مولوی صاحب تھے کہ پڑھائی لکھی چھوڑ غالب کے پیچھے پڑ گئے، غریب کی بات بات پر زبان پکڑنی شروع کر دی۔ اور چلئے گھنٹہ اس میں تمام ہو گیا۔ محسنوں کی فہرست لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اور سر فہرست کا نام لینے کی نوبت ہی نہیں آ رہی ہے۔ یہ تھے مرزا محمد ہادی لکھنوی جن کے تخلص مرزا سے کم لوگ اور نثری لقب رسوا سے زیادہ واقف ہیں۔ ''امراؤ جان ادا'' اور ''ذات شریف'' ''اختری بیگم'' والے کے ان کی زبان کی سلاست، نفاست، نزاکت کا نقش دل پر کچھ ایسا بیٹھا کہ بیٹھا کیا معنیٰ؟ آج تک ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی اردو دانی جب کبھی انگڑائیاں جمائیاں لینے لگتی ہے تو انہی کتابوں کی ہوا اسے تازہ دم کر دیتی ہے۔

ادبی معرکوں کے قصے کتابوں میں تو بہت پڑھے۔ ناسخ و آتش کی لپٹ جھپٹ انیس و دبیر کی چشمک، مصحفی و انشا کی ہاتھا پائی وغیرہ لیکن دو معرکے بچپن میں اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لئے ایک تو بہت بچپن تھا جب امیر داغ کے شاگردانِ رشید اپنے اپنے استادوں کے ناموں کا رجز پڑھتے تھے۔ لنگر لنگوٹے کس کر اکھاڑے میں کود پڑتے تھے اور دوسرا قصہ بہت بعد کا ہے جب مثنوی گلزار نسیم پر لے دے شروع ہوئی تھی۔ ایک فریق کے لیڈر جناب شرر صاحب پیام والے منشی نثار حسین تھے اور دوسری فوج کی کمان چکبست اور اودھ پنچ والے سجاد حسین کے ہاتھ میں تھی۔ صاحب ایک طوفان تھا طوفان- لعن وطعن کی وہ بھرمار- ایک دوسرے عزت وحرمت پر یلغار، زبان پر وہ تو تکار، طوفان کیا اگر وہ خود داخل بدتمیزی نہ ہو، یہ ایک پورا طوفان بے تمیزی، پھر بھی ادبی پھول بات بات پر جھڑتے رہے اور شعر وانشاء کی پھلجھڑیاں قدم قدم پر چھوٹتی رہیں۔ اپنی زندگی ہی کیا جو اس کے ناقابل فراموش واقعات وشخصیات بیان میں لائیے اور اس اول جلول آپ بیتی کے ٹکڑے اہل محفل کو سنائیے۔ محض تعمیل ارشاد میں یہ سامعہ خراشی چند منٹ کے لئے کر دی گئی۔ ہاں لیجئے جو بات بالکل شروع میں عرض کر دینے کی تھی وہ اب جا کر یاد پڑی۔ اردو کا الٹا سیدھا ذوق یہ جو کچھ بھی اپنے نصیب میں آیا اس میں ایک بڑا دخل اس کو بھی ہے کہ بچپن ہی میں اردو کی ریڈرس مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی پڑھنے کو مل گئیں تھیں۔ یہ ریڈریں دو چار سال نہیں کہنا چاہیے کہ تین بار نسلوں کی مدت تک برابر لڑکوں کے کورس میں داخل رہیں۔ ان کے ادبی شعور کو ذوق سلیم کے ڈھانچے میں ڈھالتی ہوئی، سنوارتی ہوئی، نکھارتی ہوئی۔

سیکولر جمہوری اداروں میں ہمارا مطلوبہ کردار

امام الدین علیگ

ملک بھر میں سرگرم تعلیمی اداروں کو بنیادی طور پر پبلک سیکٹر اور پرائیویٹ سیکٹر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں جدید تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب، نظریات اور مکاتب فکر کے تعلیمی ادارے آتے ہیں جن میں سیکولر اور غیر سیکولر سبھی شامل ہیں۔ جہاں تک پبلک سیکٹر یعنی سرکاری تعلیمی اداروں کا تعلق ہے تو پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کو تعلیمی نصاب اور مواد کی بنیاد پر سیکولر جمہوری تعلیمی ادارہ قرار دیا جاتا ہے۔ سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کی تعریف وتوضیح سے قبل مناسب ہوگا کہ ملک میں رائج جمہوریت اور سیکولرزم کی تھوڑی وضاحت کردی جائے۔

جمہوریت اور تعلیمی پالیسی: 15 اگست 1947ء میں انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہونے کے بعد ہندوستان میں آزادی، مساوات، بھائی چارہ اور انصاف کی بنیاد پر جمہوری نظام حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ 26 نومبر 1949 کو ملک کا آئین بن کر تیار ہوا۔ 26 جنوری 1950 کو اس آئین کے نفاذ کے ساتھ ہی یہ اعلان کیا گیا کہ ہندوستان مکمل طور پر ایک خود مختار جموری ملک ہے جو تمام ہندوستانی عوام کے لئے اظہارِ رائے کی آزادی، عقیدہ اور مذہب پر عمل کرنے اور اس کا پرچار کرنے کی آزادی، یکساں مواقع کی فراہمی اور تمام شہریوں میں بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دے کر سیاسی، اقتصادی اور سماجی انصاف کے حصول کے لیے جدو جہد کرے گا۔ چونکہ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لئے تعلیم کو سب سے اہم ٹول اور ضرورت سمجھا گیا، اس لیے آئین کی دفعہ 45 کے مطابق یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ملک کی تمام ریاستوں میں آئین کے نافذ ہونے کی تاریخ سے دس سال سے لے کر 14 چودہ سال تک کے ہر بچے کے لئے لازمی اور مفت تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔ آئین کے مذکورہ بالا اہداف کو حاصل کرنے میں حکومت ہند اب تک کس حد تک کامیاب یا ناکام ہوئی ہے یہ الگ موضوع بحث ہے۔ 1948 میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کی سربراہی میں جامعاتی تعلیمی کمیشن کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستان میں تعلیمی نظام کو منظّم کرنے کا کام شروع ہوگیا تھا۔ 1952 میں لکشمی سوامی مدالیر کی صدارت میں قائم ہوئے ثانوی تعلیمی کمیشن اور 1964 میں دولت سنگھ کوٹھاری کی صدارت میں قائم کردہ تعلیمی کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر 1968 میں تعلیمی پالیسی پر ایک تجویز پاس کی گئی جس میں' قومی ترقی کے تئیں پُرعزم، بااخلاق، باکردار اور ماہر فن طلبا کو تیار کرنے کا ہدف رکھا گیا۔ اس کے بعد مئی 1986 میں نئی قومی تعلیمی پالیسی نافذ کی گئی، جواب تک چل رہی ہے۔ 1986 میں ایک نئی ایجوکیشن پالیسی تیار کی گئی جس میں جمہوری وسیکولر اقدار کا خیال رکھتے ہوئے شہریت وثقافت اور قومی اتحاد کے جذبے کو تقویت دینے، ہر سطح پر تعلیم کے نظام کی تعمیر نو کرنے، تعلیم کے معیار کو بلند کرنے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر اخلاقی اقدار کو تیار کرنے، تعلیم اور زندگی میں گہرا رشتہ قائم کرنے پر زور دیا گیا تھا۔

سیکولرزم کا مطلب: سیکولرزم کو ہندی میں ''دھرم نرپیکش'' کہا جاتا ہے جب کہ اُردو میں عموماً سیکولرازم کو لادینیت یا پھر مذہبی غیر جانبداری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیکولرزم کی اصطلاح کے سلسلے میں دنیا کے مختلف مما لک اور خطوں میں الگ الگ تصورات پائے جاتے ہیں۔ مگر جس مغربی دنیا میں اس اصطلاح نے جنم لیا ہے وہاں آج بھی عملی طور پر سیکولرازم لادینیت کے ہی مترادف ہے لیکن ہندوستان میں اکثر وبیشتر مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار ہونے کو سیکولرزم کہا جاتا ہے۔ جہاں سیکولرزم کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو چلانے اور ریاستی پالیسی کے تعین میں مذہب کا عمل دخل نہ ہو، وہیں اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ سرکاری پالیسی اور قانون کا نفاذ مذہبی تعصب سے بالاتر ہوکر کیا جائے اور سبھی مذاہب کے ماننے والوں کو ہر میدان میں یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔

جمہوریت اور سیکولرزم کو ملاکر جس طرح کے اغراض ومقاصد اور اہداف کا تعین کیا گیا تھا وہ ملک کے کثیر ثقافتی معاشرے کے لیے ضروری تھا۔ 1986 کی ایجوکیشن پالیسی کی یہ خاصیت تھی کہ اس میں بڑی حد تک ان جمہوری اور سیکولر اقدار کا خیال رکھا گیا تھا۔ لیکن گزشتہ چند برسوں میں حالات نے بہت تیزی سے کروٹ بدلی ہے۔ ملک کے موجودہ حالات میں فرقہ پرست اور ہندوتو وادی طاقتوں نے نہ صرف زور پکڑا ہے بلکہ ملک کے سیکولر اور جمہوری اقدار پر ان کا حملہ بھی تیز سے تیز تر ہوگیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں اقتدار کی باگ ڈور آجانے سے حالات کی سنگینی مزید بڑھ گئی ہے۔ آر ایس ایس سے تعلق رکھنے والے وزیر اعظم نریندر مودی کے موجودہ دور اقتدار میں جہاں تعلیمی اداروں میں انتہاپسند اور ہندوتو وادی طاقتوں کی بے جا مداخلت اور دراندازی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے وہیں ملک کی تعلیمی بنیاد یعنی ایجوکیشن پالیسی اور تعلیمی نصاب پر ہی ڈاکہ ڈالنے کی تیاری چل رہی ہے۔ موجودہ حکومت ملک کے تعلیمی اداروں کا بھگوا کرن کرنے کی پُر زور کوشش کر رہی ہے مگر جن اداروں کے ماحول کو اپنے رنگ میں رنگنے میں ان طاقتوں کو کامیابی نہیں حاصل ہورہی ہے یا جہاں ہندوتو طاقتوں کی پشت پناہی والی حکومت کی متنازع کوششوں کی مخالفت ہورہی ہے، وہاں پر طلبا میں خوف وہراس کا ماحول پیدا کر کے تعلیمی سرگرمیوں کو متاثر کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔ مرکز میں اقتدار میں آنے کے محض چند ماہ بعد ہی دہلی یونیورسٹی اور پھر اس کے بعد حیدرآباد مرکزی یونیورسٹی میں جہاں ایک طرف ایک دلت اسکالر روہت ویمولا کو خودکشی کے لیے مجبور کیا گیا وہیں دوسری طرف جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں کھلے عام فرضی ویڈیو کلپ کی آڑ میں طلبا کو ہراساں کرنے اور ان کو ملک سے غداری جیسے سنگین الزامات میں پھنسانے کی کوشش بھی کی گئی۔ چند سال قبل یوم آزادی کے موقع پر جانچ پڑتال کے بہانے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو نشانہ بنایا گیا وہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے تعلق سے مرکزی حکومت کا متعصّبانہ رویہ بھی سب کے سامنے آتا رہا۔

تعلیمی اداروں میں دن بدن بڑھتی حکومت کی مداخلت یوں ہی نہیں ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر ایک منصوبے کے تحت انجام دیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اہم عہدوں پر حکومت کے ذریعہ اپنے ہم خیال وفسطائی نظریات کے لوگوں کی تقرری کرنا اور پھر ان عہدیداروں کی جانب سے کھلے عام شرپسند عناصر کی پشت پناہی کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آنے والے وقت میں کسی بڑی تبدیلی کے لیے ماحول سازگار کیا جارہا۔ مگر یہ بڑی تبدیلی آخر کیا ہوسکتی ہے؟ اگر غور کیا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے وہ 'نئی ایجوکیشن پالیسی'' جس کی آڑ میں حکومت اپنے بھگوا ایجنڈے کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ حکومت کی جانب سے نئی ایجوکیشن پالیسی وضع کرنے کے معاملے کو بہت ہی سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔ مجوزہ نئی ایجوکیشن پالیسی سابقہ پالیسیوں کی طرح نہیں ہوگی، بلکہ یہ سیکولر اور جمہوری اقدار پر قائم ملک کے تمام تعلیمی اداروں کے لیے کسی خوفناک طوفان سے کم نہ ہوگی جو ان کے نصاب کو تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے اقدار اور اغراض ومقاصد کو ہی بدل کر رکھ دے گی۔ اس مجوزہ نئی پالیسی کے اثرات سے کوئی بھی سرکاری یا نیم سرکاری تعلیمی ادارہ مستثنیٰ نہیں رہ سکے گا۔ موجودہ حکومت نئی ایجوکیشن پالیسی لاکر تعلیمی نصابِ تعلیم اور زیر تدریس کورسوں اور مواد کو تبدیل کر کے سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کو مکمل طور پر بھگوا رنگ میں رنگنے کا تہیہ کر چکی ہے۔ جس کے اثرات بہت ہی دوررس ثابت ہوں گے، جو آنے والی تمام نسلوں کی سوچ اور رجحان کو بدل کر رکھ دے گی۔

مذکورہ بالا سطور میں جمہوریت اور سیکولرزم کی جو وضاحت کی گئی ہے اس کے مطابق سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کی تعریف کچھ اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے جن کا تعلیمی نصاب اور مواد مذہبی تعصّبات، ذات پات اور جنسی امتیازات سے پاک ہو، جہاں مذہبی تعصب سے بالاتر ہوکر سبھی کو حصول تعلیم کے یکساں مواقع فراہم ہوں تاکہ جمہوری اقدار واہداف کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے، انھیں سیکولر جمہوری تعلیمی ادارہ کہا جاسکتا ہے۔ سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کی تعریف سے ہی واضح ہوجاتا ہے کہ جمہوری اقدار واہداف کی حفاظت وحصولیابی ہی ان تعلیمی اداروں کا بنیادی مقصد اور ذمہ داری ہے۔ مختصر طور پر سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کے مقاصد واہداف میں جمہوری اقدار کو فروغ دینا اور ان کی حفاظت کرنا، اچھے اخلاق وخصائص کو فروغ دینا، فکری صلاحیتوں کو پروان چڑھانا، سماجی خدمت کے جذبے کو بیدار کرنا، طلبا کی شخصیت کو نکھارنا، قائدانہ صلاحیت پیدا کرنا، اچھا شہری بننے کے لیے تربیت دینا اور ایک خوشحال زندگی کے لیے طلبا میں صنعتی، کاروباری اور فنی صلاحیتوں کو ابھارنا وغیرہ شامل ہے۔ ان تعلیمی اداروں کے کردار کو سمجھنے کے لیے مشہور ماہر تعلیم جان ڈی وی کا یہ قول بھی معاون ہوسکتا ہے کہ ایک جمہوری معاشرے میں ایسی تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے جس سے ہر شخص سماجی کاموں اور تعلقات میں ذاتی طور پر دلچسپی لے سکے۔ تعلیم کو انسان میں ہر ایک سماجی تبدیلی کو مثبت طور پر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔'' ظاہر سی بات ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے پر ہی انسان اپنے اور دیگر لوگوں کے حقوق کے سلسلے میں آگاہ ہوسکتا ہے اور آگاہی کے بعد ہی عوامی مفاد کے لیے اپنی سماجی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے متحرک اور سرگرم ہوسکتا ہے۔ جس ملک کے ناخواندہ اور خوابیدہ عوام اپنے حقوق اور فرائض کو ہی نہ جانتے ہوں تو اس ملک میں اہل اقتدار کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوجاتا ہے جو عوام پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا شروع کردیتا ہے جس کی وجہ سے جمہوریت کا بنیادی مقصد ہی خطرے میں پڑجاتا ہے۔ چونکہ جمہوری نظام حکومت میں ملک کے تمام شہری حصہ لیتے ہیں اور جمہوریت کی باگ ڈور عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے اسی لئے جمہوری ملک کے ہر شہری کو جہاں ایک طرف اپنے حقوق اور فرائض کا علم ہونا چاہیے وہیں دوسری طرف اس کو تعصب اور جہالت کی تاریکی سے بھی دور رہنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے ملک میں ایک مناسب حکومت کی تشکیل میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کرسکیاور تمام تعصّبات سے بالاتر ہوکر صحیح اور اہل افراد کو اقتدار کی کرسی تک پہنچا سکے۔

ہمارا مطلوبہ کردار: یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بے انتہا غور وخوض اور محنت ومشقت کے بعد ان سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں کے قیام کے پیچھے جس طرح کے اغراض ومقاصد اور اہداف کو متعین کیا گیا ہے دین اسلام کے پاس وہ اقدار ومقاصد نہ صرف پہلے سے موجود ہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ بہتر اور معیاری اقدار ومقاصد اسلام اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ مزید یہ کہ اسلام نے نہ صرف زبانی طور پر اپنے اعلیٰ ترین اور معیاری اقدار ومقاصد کا دنیا کے سامنے تعارف کرایا ہے بلکہ اہلِ اسلام نے ان پر عمل کر کے دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ اس کے پاس ہی ایک مثالی ملک و سماج کی تعمیر کی کنجی ہے جس کے حصول کے لیے دنیا ادھر ادھر بھٹک رہی ہے۔ اسلام کے پاس زندگی کے ہر شعبے سے متعلق رہنمایانہ اصول موجود ہیں۔ سیاسیات، اقتصادیات، سماجیات کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم سے متعلق بھی واضح ہدایات اور رہنمایانہ اصول موجود ہیں جیسا کہ قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت ہی تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مسلم طلبا کی ذمہ داری دوگنی ہوجاتی ہے۔

ملک بھر میں سرگرم جمہوری تعلیمی اداروں کی خاصیت ہی یہی ہے کہ ان میں زیر تعلیم طلبا کا تعلق مختلف مذاہب، رنگ ونسل، الگ الگ ذات برادریوں اور خطوں سے ہوتا ہے جو الگ الگ ماحول اور تہذیب وثقافت سے ہونے کے باجود یونیوسٹیوں اور کالجوں میں ایک ہی ماحول میں ایک ساتھ پڑھتے لکھتے، اٹھتے بیٹھتے اور کھیلتے کودتے ہیں۔ ان سیکولر جمہوری تعلیمی اداروں میں مسلم طلبا کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں جس طرح غیر مسلم طلبا مختلف نظریات اور ازم سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح مسلم طلبا بھی اسلام کے مختلف مکاتب فکر وخیال کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جہاں غیر مسلم طلبا نے اپنے فکر وخیال کی نسبت سے اپنی اپنی طلبا تنظیمیں قائم کررکھی ہیں وہیں مسلم طلبا تنظیمیں، تحریکیں اور جماعتیں بھی ان اداروں میں اپنا سرگرم رول ادا کررہی ہیں۔ جمہوری تعلیمی اداروں میں مختلف رنگ ونسل اور مذہب سے تعلق رکھنے والے طلبا اور ان کی نمائندہ تنظیموں کے بیچ تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبا کی ذمہ داری کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ان اداروں میں زیر تعلیم مسلم طلبا کو جہاں اپنے حصول تعلیم کی ذمہ داری کو ادا کرنا ہے وہیں ان کے کندھوں پر اپنے پروردگار کی جانب سے ڈالی گئی وہ عظیم ذمہ داری بھی ہے جو ان کے پاس اسلام کی شکل موجود ہے۔ اللہ کی اس بہترین نعمت اور امانت کو دیگر طلبا تک پہنچانا مسلم طلبا کا دینی فریضہ ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوسکتا۔ مسلم طلبا کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی اخلاق واقدار کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کریں تاکہ وہ اپنے کردار وعمل کے ذریعہ اللہ کی اس امانت کو اپنے ساتھی طلبا تک پہنچا سکیں اور انھیں یہ پیغام دے سکیں کہ دیکھو ایک باعمل مسلمان سراپا خیر ہوتا ہے۔ اسلامی اخلاق واقدار کا عملی نفاذ ہی وہ پہلا مرحلہ ہے جس سے آپ دوسروں کو اسلام کی طرف متوجہ اور راغب کرسکتے ہیں۔ اگر آپ کی زندگی میں دین اسلام نہیں ہے، آپ کے گفتار وکردار میں تضاد ہے، آپ اپنی زبان سے اسلام کی تسبیح پڑھتے ہیں اور عمل سے باطل کی ترجمانی کرتے ہیں تو کوئی بھی آپ کی باتوں پر کان نہیں دھرے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلم طلبا پہلے خود کی زندگی میں اعلیٰ اسلامی اصول واقدار کا نفاذ کر کے عملی مظاہرہ کریں۔ تحریکی طلبا کو یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اسلامی اخلاق واقدار پر محض عمل کرنے سے ہی ملّی اور دینی ذمہ داری مکمل نہیں ہوجاتی ہے بلکہ اپنی زندگی میں اسلام کے نفاذ کے بعد ہمارے لیے ضروری ہے ہم اپنی زبان سے، منصوبہ بند طریقے سے، تحریکی انداز میں دیگر طلبا کے سامنے اسلام کا تعارف پیش کریں، انھیں اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرائیں اور اسلام کے تئیں ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ ان اداروں میں زیر تعلیم مسلم طلبا اور تحریکی ساتھیوں کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے طلبا ساتھویں کی مدد کے لیے تیار رہیں اور ہر اچھے اور خیر کے کام میں ان کا ساتھ دیں۔ مسلم طلبا کو چاہئے کہ وہ اپنے اخلاق وکردار کو اتنے بلند مقام تک لے جائیں جہاں سے ان میں اور دیگر طلبا میں نمایاں فرق دکھائی دینے لگے اور وہ ساتھیوں میں ایک مثال بن جائیں۔ تحریکی طلبا کو چاہئے کہ وہ اپنی تحریکی ودینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مسلم اور غیر مسلم تنظیموں، جماعتوں اور تحریکوں کے درمیان کوآرڈینیشن پیدا کرنے اور ان کے درمیان ایک پل قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ سیکولر تعلیمی اداروں کے جمہوری اور پرسکون ماحول کو برقرار رکھا جاسکے۔ تحریکی طلبا پر یہ اضافی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ فسطائی طاقتوں اور ان کے خوفناک ارادوں کے تعلق سے اپنے طلبا ساتھیوں کے درمیان بیداری پیدا کرنے اور انھیں پیش آئند حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کرنے میں بھی اپنا رول ادا کریں۔

جنگ آزادی میں علماء کی قربانیاں

پروفیسر صغیر افراھیم

کیا شوق شہادت تھا کہ جاں بازوں نے ☆ سر رکھ کے ہتھیلی پہ کفن کو چوما

حیرت واستعجاب کی بات ہے کہ جدو جہد آزادی میں مسلسل مسلمانوں نے جو قربانیاں دی ہیں، انھیں نظرانداز کیا جارہا ہے۔ ان کی بے لوث خدمات سے چشم پوشی اختیار کرنے کے علاوہ ان کے صاف شفاف کردار کو بھی شعوری طور پر مسخ کرنے کے جتن کیے جارہے ہیں۔ تعصب وتنگ نظری کا دائرہ جو روز بروز وسیع ہوتا جارہا ہے اس کا سلسلہ کب تک قائم رہے گا؟ دانشوارنِ ملک اور علم برادران انسانیت کو اس پر یکسوئی اور دلجمعی سے غور کرنا چاہیے کہ اس مخالفانہ رویہ اور متعصّبانہ عمل سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مسلمانانِ ہند کو جس ذہنی کرب سے گزرنا ہوتا ہے، اس کا اظہار الفاظ میں آسان نہیں ہے۔ ان کے اسلاف کے کارناموں پر اہل ملک کو فخر کرنے کے بجائے ان کو درکنار کیے جانے کی ایک باقاعدہ کوشش جاری ہے، جو باعث تشویش ہے۔

ماضی کے دریچوں سے جھانک کر دیکھئے کہ وطنِ عزیز کی آزادی کے لئے کس قدر کثیر تعداد میں مسلمانوں نے قیدِ مشقت کی صعوبتیں جھیلیں، جاہ وحشمت کی قربانیاں پیش کی ہیں اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں، ملک گیر سطح پر آزادی کی باقاعدہ جنگ کا آغاز 1857ء سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ جنگِ آزادی کا ایک ایسا اہم سنگ میل ہے، جس سے ایک صدی قبل اور اس کے بعد کے حالات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس حادثہ رست خیز سے ایک طرف دنیا کی ایک عظیم الشان مغل سلطنت کا زوال ہوا تو دوسری جانب اسی ناکام انقلاب کی آتش خاموش کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاریوں نے نہ صرف شعلوں کی شکل اختیار کی بلکہ جہدِ مسلسل کی نئی تعبیر پیش کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح ایک غرقِ آب قوم از سر نو اُبھرتی اور منظرنامے پر چھا جاتی ہے، مگر جعفر اور صادق جیسے افراد کی بنا پر جلد ہی اُفقِ دُھندلا جاتا ہے۔ نشیب وفراز کی اس روداد کو جانچنے، پرکھنے اور سمجھنے کے لئے جہد مسلسل کے عکس در عکس کو چار حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ اول 1757ء سے 1800ء تک، دوم 1800ء سے 1857ء تک، سوم 1857ء سے 1947ء تک اور حصہ چہارم میں آزادی کے بعد سے دورِ حاضر تک کو احاطۂ تحریر میں لیا جاسکتا ہے۔

اِن ادوار کے پیش نظر جو منظرنامہ ابھرتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہوسِ اقتدار، باہمی رقابت اور رسہ کشی نے برصغیر ہند کو مختلف بحرانوں میں مبتلا کر دیا تھا، ان بحرانوں نے حکومتی نظام کو ہی نہیں تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور تمدنی اقدار کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ ملک کے تنظیمی نظام کی کمزوری نے درپردہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کام کو آسان بنایا اور اس کو بتدریج استحکام بخشا، نتیجہ یہ ہوا کہ سات سمندر پار سے آنے والوں نے چالاکی اور ہوشیاری سے تجارت کے ساتھ ساتھ اقتدار پر بھی قبضہ جما لیا، مغل بادشاہ صرف نام کا حکمراں رہ گیا اور اصل اختیار واقتدار کمپنی کے ہاتھ میں آ گیا۔ ماضی کے دریچوں سے شہادت ملتی ہے کہ غلامی کی دستک کا لاشعوری طور پر پہلے پہل جس کو احساس ہوا، وہ صوبۂ بنگال کا حکمراں نواب سراج الدولہ تھا جو 23 جون 1757ء کو پلاسی کے میدان میں ایک مجاہد کی طرح انگریزوں سے برسرِ پیکار رہا اور رابرٹ کلائیو کے زیرِ قیادت ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازش کا شکار ہوا۔ قریبی لوگوں کی دغا اور فریب کی بدولت ہونے والی شکست پر راجہ رام نارائن موزوں نے اپنی تلملاہٹ کو اس طرح منظوم کیا ہے اور اس ایک شعری کی بدولت وہ اردو ادب میں زندہ جاوید بن گئے ہیں۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی ☆ دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

پلاسی کے میدان میں شکست فاش اور بنگال کی خود مختار مسلم حکومت کے اختتام کے بعد 1764ء میں انگریز تاجر بہار کے زرخیز علاقہ پر قابض ہوئے۔ ان بڑھتے ہوئے ناپاک ارادوں کے پیش نظر 1767ء میں شعوری طور پر وطن کی عظمت، سالمیت اور آزادی کی حفاظت کا خیال جس اولوالعزم شخص کے ذہن میں آیا اس کا نام حیدر علی تھا۔ حیدر علی جب تک حیات سے رہا، اس نے انگریزوں کے قدم دکن میں جمنے نہیں دیئے۔ اس کے بعد اس کے جانشیں فتح علی ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کی کمان سنبھالی اور اپنوں کی غداری کے طفیل 4 مئی 1799ء کو اپنی جان وطن پر نثار کر دی۔ سقوط میسور کے بعد انگریزوں نے ایک جانب اپنے حلیف مرہٹوں کے خلاف محاذ کھولا تو دوسری طرف اپنا لائحہ عمل تبدیل کرتے ہوئے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔

مغلوں، مرہٹوں، راجپوتوں اور دیگر دیسی حکمرانوں کے اقتدار کا قلع قمع کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے عوامی استحصال کا فیصلہ کیا اور اپنی مطلب براری کے لئے کئی دروازے کھولے۔ ان کا مقصد ہندوستانی تمدن کو کمزور اور معیشت کو کھوکھلا کرنا تھا۔ فرنگیوں کی ان منصوبہ بند کوششوں نے ہندوستانی دانش وروں کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس پس منظر میں متعدد تحریکیں وجود میں آئیں اور سرگرم عمل ہوئیں۔ ان کا سلسلہ شاہ ولی اللہ (1703ء-1762ء) کی ہمہ گیر دینی، اصلاحی اور جمہوری تحریک سے جوڑا جاسکتا ہے۔ اس کی بنیاد انسانیت کے اعلیٰ اصولوں (عدل وانصاف، صحت باطنی اور تربیتِ نفس) پر مبنی تھی نیز یہ تحریک عوام کو دینی نظام کے ساتھ ساتھ تمام جائز جمہوری حقوق مہیا کرتی تھی۔ اس عظیم الشان انقلابی تحریک کا مرکز شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم کی خانقاہ ''جامعہ رحیمیہ'' دہلی تھی۔ مفتی عطا الرحمٰن قاسمی کے الفاظ میں: ''مدرسہ رحیمیہ ابتداء ہی سے انقلابی تحریک کا مرکز رہا۔ یہاں کے فضلاء اور علماء نے سامراجی قوتوں کا جم کر مقابلہ کیا اور انگریزوں کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوئے''۔ اس باب میں مولانا امداد صابری مذکورہ تربیت گاہ کی خصوصیات پر یوں رقم طراز ہیں: ''یہ مدرسہ صرف درس گاہ نہیں تھا بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ بھی تھا جس نے پورے ہندوستان میں انگریزی سامراجیت کی جڑیں کمزور کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے تھے اور ایک جال پھیلا دیا تھا۔ اسے خانقاہ کی بھی حیثیت حاصل تھی جہاں لوگوں کے کردار و کیریکٹر بنائے جاتے تھے۔ وہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی''۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی تحریک نے ملک کی بگڑتی ہوئی اور انحطاط پذیر صورتِ حال اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت کے تئیں بہت سے بیدار ذہنوں کو فعال ومتحرک بنایا تھا۔ معروف دانش ور ادیب خواجہ احمد فاروقی نے اس وقت کی سیاسی صورتِ حال کی تصویر کشی ''خدنگِ غدر'' کے مقدمے میں ان الفاظ میں کی ہے: ''1776ء میں مجنوں شاہ نے نیپال کی ترائی سے ایک فقیری تحریک شروع کی جس کا مقصد بنگال میں انگریزوں کے کارخانوں اور اسلحہ کو تباہ کرنا تھا۔ اسی طرح کی ایک تحریک کرم شاہ نے شروع کی جو پاگل پنتھی کے نام سے مشہور ہے''۔ ملک کی دیگر تحریکات میں مجنوں اور کرم شاہ کی پاگل پنتھی تحریکوں کے علاوہ حاجی شریعت اللہ اور ان کے بیٹے دادو میاں کی فرائضی تحریک اور تیتو میر کی تحریک بھی اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ انھوں نے تحریکِ مجاہدین کے اثرات قبول کئے اور رفتہ رفتہ اس کے دائرے میں شامل ہوتے گئے۔ ابتداء یہ ساری تحریکیں بظاہر مذہبی تھیں مگر ان کا دائرہ عمل اور نصب العین بتدریج وسیع اور مشترک ہوتا گیا اور شمالی ہند میں شاہ ولی اللہ کی تحریک کو پورے ہندوستان میں ایک بڑے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ وہ تحریک جو مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ، ان کے کردار اور مذہبی عقائد ورسوم کی درستی اور ان کی معاشی فلاح کے لئے وجود میں آئی تھی اور جس کا بنیادی موقف یہ تھا کہ ملت اسلامیہ کے زوال کا سبب مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ ہے اور ان کی اصلاح بہر صورت مقدم ہے، کچھ ہی عرصہ بعد انگریزوں کے خلاف پوری طرح صف آرا ہوئی اور اس نے قوم کو نعرۂ جہاد دے کر آتشِ حُرّیت پورے ملک میں پھیلا دیا۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ مجاہدوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''میں ان فوجی آدمیوں سے کہتا ہوں کہ تم کو تو اللہ نے جہاد کے لئے... بنایا تھا۔ اس کو چھوڑ کر تم نے گھوڑ سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ اب جہاد کی نیت اور قصد سے تمہارے دل خالی ہیں''۔ شاہ صاحب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ نیم خفتہ دلوں میں حب وطن اور جذبۂ سرفروشی کے ساتھ عزم اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔ خواجہ احمد فاروقی نے ان کے تحریکی نصب العین کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: ''یہ تحریک مذہبی بھی تھی، سیاسی بھی، معاشی بھی اور ادبی بھی... اس تحریک نے بہت جلد سیاسی رنگ اختیار کر لیا اور وہ یہ کہ ملک کو بہت جلد انگریزوں سے پاک کیا جائے۔ اقتصادی نظام میں تبدیلی لائی جائے اور مزدوروں اور کاریگروں کو ان کے صحیح حقوق دلوائے جائیں اور ان کے اوپر کم سے کم بوجھ رکھا جائے''۔

بعد کے حالات کے پیش نظر وطنِ عزیز کی آزادی کی خاطر ملک کی دیگر تحریکوں نے اسی نصب العین کو اپنا منہج ومنبع قرار دیا۔ اگر ایک جانب انگریزوں کی قوت اور اختیار میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا تو دوسری طرف ملک کے مختلف مکاتبِ فکر کے ہوش منداور تعلیم یافتہ افراد انگریزوں کی سازشوں اور فریب کاریوں کو سمجھنے لگے، اور ان کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے موقع کے منتظر ہوئے۔ ان کاوشوں میں ہندو، مسلم کی کوئی قید نہ تھی۔ مسلم زعماء وفضلاء کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو طبقہ بھی بنگال سے مدراس تک صورت حال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ یہاں سب سے اہم نکتہ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے جانشینوں کا تحریکِ مجاہدین کو زندہ رکھنا تھا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل اور ان کے تلامذہ اور وابستگان نے اسے ہر طرح پروان چڑھایا۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل نے برطانوی ہندوستان کو دار الحرب اور انگریزوں سے جنگ کو فرض قرار دیا۔ جذبۂ جہاد سے مغلوب ہوکر مجاہدین سرفروشی کی تمنا جامِ شہادت نوش کرتے رہے اور بالاکوٹ میں آزادی کی اس تحریک سے وابستہ علماء نے قربانی پیش کی۔ دوسری جانب برادرانِ وطن بھی حب الوطنی سے سرشار جذبۂ سرفروشی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

مسلمان علماء کی قیادت نے اپنی بے مثال اخلاقی وعملی جرأت مندی کا ثبوت دیا اور رفتہ رفتہ ملک میں ہم آہنگی اور یک جہتی کی فضا قائم ہوتی گئی۔ ملک کا تقریباً ہر طبقہ بلا کسی تفریق مذہب وملت جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہوتا چلا گیا۔ بقول ڈاکٹر معین الدین عقیل: ''ہزاروں فقیر، پنڈت، سادھو اور سنیاسی ملک کے گوشے گوشے میں بغاوت کے جذبات ابھار رہے تھے۔ بااثر علماء نے جہاد پر زور دینا شروع کر دیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں ایک فتویٰ ہوا جس میں انگریزوں کے خلاف ہر مسلمان کے لئے جہاد فرض قرار دیا گیا۔ علماء نے شہروں اور دیہاتوں کے دورے کئے، تقاریر کیں، رضا کاروں نے گھر گھر جاکر چندہ جمع کیا۔ فقیر اور سنیاسی زیادہ تر چھاؤنیوں کے قریب قیام کرتے جہاں سپاہی ان کے معتقد ہوجاتے''۔

وہ لوگ جو میدانِ جنگ کے غازی بننے کے بجائے محض گفتار کے غازی تھے، انھوں نے بھی دیگر ذرائع اختیار کرتے ہوئے اپنی اپنی سطح پر تحریکِ آزادی کو مہمیز کیا۔ مثلاً شہروں اور قصبوں میں ڈراموں، نظموں اور گیتوں کے ذریعہ ہندوستانی عوام کو غلامی کا احساس دلایا۔ اس طرح ملک میں انگریزوں کے خلاف جذبۂ جہاد کی جو چنگاری بھڑکائی گئی وہ 1857ء میں بالآخر شعلوں میں تبدیل ہوگئی۔ جنگِ آزادی کا بگل 10 مئی بروز اتوار، میرٹھ کی چھاؤنی سے بجا۔ میرٹھ سے ان شعلوں کی لپٹ نے پہلے دہلی پھر دیگر شہروں اور بعد میں پورے ملک کو اپنی گرفت میں لیا۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر جن کی حکومت صرف قلعہ معلیٰ تک محدود تھی، سرفروشوں کی قیادت کے لئے تیار ہوئے۔ نانا صاحب، رانی لکشمی بائی، تانتیہ ٹوپے، بیگم حضرت محل، شہزادہ فیروز بخت، عظیم اللہ خاں، کنور سنگھ، راجہ ہرنام سنگھ اور دوسرے امراء مختلف محاذوں کو سنبھالنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان آزادی کے متوالوں کے شانہ بشانہ علماء کرام کی کثیر تعداد ابڑی تن ہدی و چابک دستی سے سرگرم عمل رہی اور اپنی شعلہ بیانیوں سے نہ صرف جذبۂ جہاد بلکہ خود بھی شوقِ جہاد میں مرتبہ شہادت حاصل کرتی رہی۔ انگریزوں کے خلاف جم کر مورچہ لینے والے علماء کرام کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان میں چند نمایاں شخصیات احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ڈ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا جعفر تھانیسریؒ، مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا یحییٰ علیؒ، شاہ اسماعیل دہلویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فیض احمد بدایونیؒ، مولانا نور اللہؒ، مولانا محمد امینؒ، مولانا شاہ محمد ابوسعیدؒ، مولانا مخدوم لکھنویؒ، مولانا عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں۔ چوں کہ یہ جدوجہد آزادی پوری طرح مسلح ومنظّم نہ تھی اس لیے جنگِ آزادی کے شعلے جس تیزی سے بھڑکے تھے اسی تیزی سے سرد بھی ہوگئے۔ 19 ستمبر 1858ء کو ملک پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ اس کے اسباب وعلل کا تجزیاتی نتیجہ یہی سامنے آتا ہے کہ انگریزوں کی منظّم فوج جدید سامانِ حرب سے لیس تھی۔ دوسری جانب ہندوستانی مجاہدین آزادی غیر منظّم تھے۔ پیسہ اور اسلحہ کا فقدان تھا۔ پھر ان کی صفوں میں مقامی جاسوسوں کی ایک تعداد تھی، جو انگریزوں تک ان کی ساری سرگرمیوں کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ بہت سے ابن الوقت، مفاد پرست، دولت واختیار کے لالچی اور خود اپنے ساتھیوں سے بغض وعناد رکھنے کے سبب انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس طرح غداروں کا ایک طائفہ تیار ہوگیا تھا یہ لوگ انگریزوں کے بہی خواہ، مخبر اور درپردہ ان کے مددگار تھے۔ جبکہ جاں بازوں میں کوئی نظم وضبط نہ تھا۔ دیسی فوجیں جدید اسلحہ جات سے عاری تھیں بلکہ ان کے پاس پوری طرح سامانِ حرب بھی نہیں تھا۔ ایک ستم یہ ہوا کہ تیار شدہ منصوبے کے خلاف وقت سے بہت پہلے جنگ کا مورچہ کھول دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں محض جذبات سے نتائج نہیں نکل سکتے تھے۔ اس طرح وجود پذیر ہونے والی پہلی جنگ آزادی کی تحریک کو کچل کر ختم کر دیا گیا، مگر اس نے عوام میں سرفروشی کا جو جذبہ پیدا کیا تھا وہ ایک عرصہ تک قلب وجگر اور ذہن وفکر کو گرماتا رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ علماء کی سرفروشانہ قربانیوں کے نتیجہ میں ملک آزاد ہوگیا۔

پارلیمانی انتخابات کی سرگرمیاں تیز

چودھری آفتاب احمد

ملک کے اندر پارلیمانی انتخابات جیسے جیسے قریب آتے جا رہے ہیں، ویسے ہی سیاسی پارٹیوں میں انتخابات کو لے کر سرگرمیاں بھی تیز ہوتی جارہی ہیں، حالانکہ ابھی انتخابات میں کوئی دس ماہ کا وقت بچا ہے، لیکن چونکہ پارلیمنٹ کے عام انتخابات خود اپنے آپ میں بڑے سمجھے جاتے ہیں اور سمجھے بھی کیوں نہ جائیں، یہ انتخابات ملک کے اقتدار کو طے کرتے ہیں، ان انتخابات کے نتیجوں میں جس پارٹی یا اتحاد کو اکثریت ملتی ہے مرکز میں حکومت اسی کی بنتی ہے، جیسا کہ سبھی کو معلوم ہے فی الحال مرکز میں نریندر مودی کی قیادت والی بی جے پی کی حکومت ہے، بی جے پی دائیں بازو کی پارٹی سمجھی جاتی ہے، دائیں بازو کی پارٹی وہ ہوتی ہے جس پر سرمایہ داروں کا کنٹرول ہوتا ہے، سرمایہ دار اس پارٹی کو فنڈنگ کرتے ہیں اور بدلہ میں وہ حکومت سے کاروباری سہولتیں چاہتے ہیں، پارٹیوں کی اپنی اپنی پالیسیاں اور ایجنڈے ہوتے ہیں، بی جے پی کی پالیسیاں سرمایہ داروں کے لئے ہیں اور ایجنڈا ہندوتوا کا ہے یعنی بی جے پی ہندوؤں کی قائید اور قوم پرست پارٹی ہے، مگر یہ محض ایک دکھاوا ہے اصل کام تو سرمایہ داروں کو ان کے کاروبار میں فائدہ پہنچانا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے اندر جب سے بی جے پی مرکز کے اقتدار میں آئی ہے، تب سے سرمایہ دار زیادہ امیر ہوا ہے اور غریب غریب ہوا ہے، سرمایہ داروں نے بینکوں سے لئے قرضوں کو واپس نہیں کیا ہے، نوبت یہاں تک آئی ہے، کئی بڑے تاجر بینکوں کا پیسہ لے کر ملک سے ہی فرار ہو گئے ہیں۔

عام پارلیمانی انتخابات سے قبل ملک کے اندر حزب اختلاف بی جے پی کا محاصرہ کرنے یا اسے اقتدار سے باہر کرنے کے لئے سرگرمیاں تیز ہو رہی ہیں، کانگریس لیڈر راہل گاندھی اور بہار کے وزیر اعلی نتیش کمار کے درمیان گزشتہ دنوں جو معاہدہ طے پایا ہے وہ حزب اختلاف کی جماعتوں کے مابین اتحاد قائم کر کے ایک فرنٹ بنا کر بی جے پی کو عام پارلیمانی انتخابات میں ہرا کر اسے اقتدار سے باہر کا راستہ دکھانا ہے، بی جے پی کی فرقہ وارانہ پالیسیوں سے ملک کو بڑا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، بی جے پی کی اس پالیسی سے بی جے پی کا وہ نعرہ جس میں اس نے کہا تھا 'سب کا ساتھ سب کا وکاس' دب کر رہ گیا ہے، راہل گاندھی سے ملاقات کے بعد نتیش کمار نے کئی بڑی ریاستوں کے ان وزرائے اعلی سے ملاقات کی ہے جن کا تعلق بی جے پی مخالف حزب اختلاف کی پارٹیوں سے ہے، جیسے انھوں نے مغربی بنگال کی وزیر اعلی ممتا بنرجی، تیلنگانہ کے وزیر اعلی کے چندر شیکھر راؤ دہلی کے وزیر اعلی اروند کجریوال، اتر پردیش کے سابق وزیر اعلی اکھلیش یادو وغیرہ سے ملاقاتیں کی ہیں، نتیش کمار نے راہل گاندھی سے ملاقات کے بعد آپریشن یونٹی شروع کیا ہے، آپریشن یونٹی کے تحت وہ حزب اختلاف کی پارٹیوں کے ان لیڈروں سے ملاقات کر رہے ہیں جو بی جے پی کی پالیسیوں اور ایجنڈوں سے اتفاق نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ سیکولرازم، سوشلازم اور کمیونزم یعنی بائیں بازو کی پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں، آپریشن یونٹی نتیش کمار نے شروع کیا ہے، نتیش کمار کو اس آپریشن میں کانگریس کی نہ صرف حمایت حاصل ہے، بلکہ اس کی کمان کانگریس لیڈر راہل گاندھی کے ہی پاس ہے، کانگریس نہیں چاہتی کہ 2024 کے پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی تیسری مرتبہ مرکز کے اقتدار میں آئے، کانگریس نے بی جے پی کو مرکز کے اقتدار میں آنے سے روکنے کے لئے نتیش کمار کی قیادت میں آپریشن یونٹی شروع کرایا ہے، یہ آپریشن یونٹی راہل گاندھی کی ایما پر شروع ہوا ہے، اس آپریشن یونٹی کا مقصد ملک بھر کی حزب اختلاف کو بی جے پی کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر لانا ہے، تاکہ پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی سے مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے، بی جے پی نے 2014 کے بعد سے اپنی فرقہ وارانہ پالیسیوں کے دم پر 100 میں سے 37 فیصد ووٹوں پر قبضہ کیا ہے، 63 فیصد ووٹ حزب اختلاف کی جماعتوں کے ہی پاس ہے، یعنی تین میں سے دو ووٹ حزب اختلاف کی ہیں اور ایک ووٹ بی جے پی کو جاتی ہے، سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر بی جے پی اکثریت حاصل کر کے اقتدار میں کیسے آ جاتی ہے؟ اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ جو مذکورہ 63 فیصد ووٹ حزب اختلاف کی پارٹیوں کے پاس ہے وہ حزب اختلاف کی کئی پارٹیوں میں منتشر ہے، اور بی جے پی 37 فیصد یعنی اسے ملنے والا ایک ووٹ اس کا اپنا پکا ووٹ ہے، اس لئے بی جے پی کم ووٹ فیصد کے باوجود اقتدار تک پہنچ جاتی ہے، اور حزب اختلاف کی پارٹیاں زیادہ فیصد ووٹ ہونے کے باوجود بھی انتشار کی وجہ سے ہار جاتی ہیں۔

نتیش کمار آئندہ برس ہونے والے عام پارلیمانی انتخابات سے پہلے پہلے حزب اختلاف کی پارٹیوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا چاہتے ہیں، اس کوشش میں ان کے سامنے مشکل یہ ہے کہ کئی ریاستوں میں علاقائی جماعتوں کا مقابلہ کانگریس کے ساتھ ہے، دونوں کو ایک ساتھ لانا نتیش کمار کے ذمہ ہے، کانگریس کی طرف سے نتیش کمار کو ان پارٹیوں میں اتحاد قائم کرنے کی ہری جھنڈی مل گئی ہے، یعنی کانگریس بی جے پی کو ہرانے کے لئے اپنے مقابل ہر پارٹی کو اتحاد میں شامل کرنے کے لئے راضی ہے، اب ریاستوں میں کانگریس کے مقابلہ اقتدار میں بیٹھی پارٹی ہو یا اختلاف میں بیٹھی علاقائی جماعت ہو ان سب کو منانے کی ذمہ داری راہل گاندھی کی طرف سے نتیش کمار کو دے دی گئی ہے، نتیش کمار نے بہار کے نائب وزیر اعلی تیجسوی یادو کو ساتھ لے کر آپریشن یونٹی شروع کر دیا ہے، راہل گاندھی اس آپریشن یونٹی میں نتیش کمار کے ساتھ حزب اختلاف کے سے ہو رہی ملاقاتوں اور بات چیت میں شامل نہیں ہو رہے ہیں، لیکن راہل گاندھی اور کانگریس کی پوری پوری حمایت نتیش کمار کو مل گئی ہے۔

نتیش کمار کے آپریشن یونٹی کا جواب بی جے پی نے دینا شروع کر دیا ہے، بی جے پی نے 2024 کے عام پارلیمانی انتخابات کے لئے ہندوتوا کا کارڈ کھیلنا شروع کیا ہے، اس کے تحت بی جے پی نے آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیموں کے کارکنوں کو ابھی سے کام پر لگا دیا ہے، یہ کارکن ہندو تہواروں پر ملک بھر میں جلوس نکالتے ہیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں مساجد و مدرسوں پر حملہ کر کے ملک کے اندر فرقہ واریت کو بڑھاوا دے رہے ہیں، ان لوگوں کو جو جلوس میں مسلمانوں کے خلاف نازیبا تبصرہ کرتے ہیں پولیس کی پشت پناہی ملی ہوئی ہوتی ہے، گویا پولیس بھی جلوس کے دوران ان کا ساتھ دے رہی ہوتی ہے، دوسری طرف وزیر اعظم نریندر مودی نے عوام کی ہمدردی لوٹنے کے لئے ہمدردی کا پھر کارڈ کھیلنا شروع کر دیا ہے، انھوں نے عوام سے فریادی بنتے ہوئے کہا ہے، کہ کانگریس لیڈر مجھے گالیاں دے رہے ہیں، تاکہ عوام کے دلوں میں وزیر اعظم نریندر مودی کے تئیں ہمدردی پیدا ہو اور کانگریس لیڈروں کے خلاف غصہ ابھرے۔

(**بقیہ مولانا عبد الدیان صاحب رحمانی**) مولانا کی زبان بڑی شیریں اور لہجہ بڑا نرم تھا، آپ کی تقریر بڑی مؤثر ہوا کرتی تھی، اردو زبان کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی بھی بہترین لکھتے اور بولتے تھے، خوش مزاجی آپ کا خاص وصف تھا، جب کسی طالب علم کو بلانا یا متوجہ کرنا مقصود ہوتا تو آواز لگاتے "الولد" طالب علم دوڑتا ہوا ان کے پاس چلا جاتا، آپ بڑے نرم مزاج تھے، طلبہ کی بڑی بڑی غلطیوں پر بھی چیں بجبیں ہونے سے زیادہ کوئی کارروائی نہیں کرتے تھے، اور آپ اس قدر حلیم تھے کہ اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا ظاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی سخت مزاجی میں معروف تھے ان کو اپنی طالب علمی کے زمانے سے لے کر وفات کے دو تین سال قبل تک کھانا کھلاتے رہے، اور ان کے سامنے بیٹھ کر اسی طرح ان کی ڈانٹ سنتے جس طرح آج سے چالیس سال پہلے طالب علمی کے زمانے میں سنا کرتے تھے، اپنے استاذ کے سامنے اپنی استاذی کا انھیں کبھی احساس تک نہیں ہوا، جب میں اس واقعے کو سونچتا ہوں تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مونگیر شہر کے مختلف مقامات پر مجلس قرآن خوانی کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس میں قرآن کی تلاوت کے ساتھ تفسیر بھی ہوا کرتی تھی، حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری مولانا مرحوم اور میرے والد بزرگوار مولانا کبیر الدین صاحب رحمانی کو سونپی گئی، یہ دونوں حضرات ہر ہفتے اتوار کے دن اس مجلس میں شریک ہو کر عوام کی صلاح و بہبود کا ذریعہ بنتے۔

مولانا مرحوم ہر کام بڑی تندہی و تیزی کے ساتھ انجام دے رہے تھے کہ 11 / رمضان المبارک/ 1444ھ کو میسور میں بس سے اترتے وقت پیروں میں شدت کی تکلیف محسوس ہوئی، اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر پھر بنگلور کا ارادہ کیا، وہاں پہنچ کر ہڈی کے ڈاکٹر کے پاس گئے، رپورٹ کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے کہا کہ کمر کی رگ میں انفکشن ہے جس کی وجہ سے گھٹنوں میں تکلیف ہو رہی ہے، اگر جلد اسے کنٹرول نہ کیا گیا تو یہ درد پورے جسم میں پھیل سکتا ہے، مولانا مرحوم کو ہارٹ کی بھی پریشانی تھی، ڈاکٹر نے رپورٹ دیا کہ آپ کا ہارٹ پورے جسم میں خون پہنچانے سے قاصر ہے، ابھی دوا علاج چل ہی رہا تھا کہ 22 / رمضان المبارک/ 1444 / ھ کو جمعہ کے دن 15:12 کے قریب ناشتہ کے لیے بیٹھے دو چار لقمہ کھایا ہی تھا کہ منہ کے بل گر پڑے اور بالکل سجدے کی سی حالت ہو گئی اور اسی حالت میں روح پرواز ہو گئی اور اپنی عمر کی صرف 53 / بہاروں کو دیکھ کر اپنے وطن کی خاک سے چمٹ کر ابدی نیند سو گئے۔ (جنازہ میں نائب امیر شریعت کی قیادت میں امارت شرعیہ کے ایک وفد نے بھی شرکت اس موقع سے حضرت نائب امیر شریعت کا بیان بھی ہوا)۔

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۸۷/۱۸۲۶/۱۴۴۴ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ گواپوکھر، مدھوبنی)

یاسمین پروین بنت محمد ممتاز، مقام سیما، ڈاکخانہ نرپتی، ضلع مدھوبنی۔ فریق اول

بنام

محمد آفتاب عالم ولد محمد قمرل، مقام سیما، ڈاکخانہ نرپتی نگر، ضلع مدھوبنی۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف تمام حقوق سے محروم ہونے اور غائب ولا پتہ ہونے کی وجہ سے دار القضاء امارت شرعیہ مدرسہ فلاح المسلمین گواپوکھر، مدھوبنی میں فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے، اسلئے اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۱/ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱/جون ۲۰۲۳ء روز جمعرات کو بوقت ۹/ بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت

معاملہ نمبر ۸۱/۲۱۱۲/۱۴۴۴ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ آزادنگر، ڈھاکہ، مشرقی چمپارن)

فاطمہ خاتون بنت محمد کلیم اللہ، مقام حسن پور بلوا، ڈاکخانہ وتھانہ کنڈواچین پور، ضلع مشرقی چمپارن۔ فریق اول

بنام

رحمت علی ولد محمد سید، مقام حسن پور بلوا، ڈاکخانہ وتھانہ کنڈواچین پور، ضلع مشرقی چمپارن۔۔۔۔۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ آزادنگر، ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن میں تقریباً سات ماہ سے غائب ولا پتہ ہونے اور دیگر حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۱/ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۳ء روز اتوار کو بوقت ۹/ بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت

هفتۂ رفتـــہ

محمد اظهار

ججوں کو بھی تربیت کی ضرورت: چیف جسٹس

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ نے کہا ہے کہ جج کے طور پر ہمیں بھی ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ ہم سوشل میڈیا کے دور میں کام کر رہے ہیں۔ کورٹ میں ہم جو بھی کہتے ہیں وہ ایک ایک لفظ عوامی بحث کے لئے موجود ہے۔ چیف جسٹس کورٹ کی کارروائی کی لائیو اسٹریمنگ اور اس کے اثرات کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم جس ڈیجیٹل انفراسٹرکچر کو بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس میں پہلا پیپرلیس کورٹ ہے اور ورچوئل کورٹ ہے۔ آج بیشتر ہائی کورٹس یوٹیوب پر لائیو اسٹریمنگ کر رہے ہیں لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ انہوں نے پٹنہ ہائی کورٹ کی کارروائی کا ذکر کیا جس میں ہائی کورٹ نے آئی اے ایس افسر سے سوال کیا کہ وہ ڈھنگ سے کپڑے پہن کر کیوں نہیں آئے جبکہ گجرات ہائی کورٹ کے جج نے خاتون وکیل سے پوچھا کہ وہ کیس کے لئے اچھے سے تیاری کر کے کیوں نہیں آئیں۔ (ایجنسی)

این جی ٹی نے بہار پر چار ہزار کروڑ کا جرمانہ لگایا

نیشنل گرین ٹریبونل (این جی ٹی) نے ٹھوس اور گیلے کچرے کا سائنسی طور پر مینجمنٹ کرنے میں ناکام رہنے کے لئے بہار پر 4 ہزار کروڑ روپے کا جرمانہ لگایا ہے۔ این جی ٹی کے چیئرمین جسٹس اے کے گوئل کی بنچ نے ہدایت دی کہ جرمانہ کی رقم دو ماہ کے اندر رِنگ فینس کھاتے میں جمع کرائی جائے اور چیف سکریٹری کی ہدایات کے مطابق اس کا استعمال ریاست میں صرف ٹھوس کچرا مینجمنٹ کے لئے کیا جائے۔ رنگ فینس کھاتے میں جمع رقم کے ایک حصے کو خاص مقصد کے لئے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ بنچ نے کہا کہ وہ قانون کے حکم خصوصی طور پر سپریم کورٹ اور اس ٹریبونل کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرنے پر ریاست پر جرمانہ لگاتے ہیں۔ (ایجنسی)

پھانسی پر روک لگانے کے لئے حکومت نے، ماہرین کی کمیٹی تشکیل دی

ہندوستان میں پھانسی کی سزائے موت پر روک کے لئے مرکزی حکومت غور کر رہی ہے۔ ماہرین کی ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے جو موت کی سزا دینے کے موجودہ طریقوں کا جائزہ لے کر پھانسی کا متبادل تلاش کرے گی۔ اٹارنی جنرل آر وینکٹ رمنی نے عدالت سے کہا کہ مجوزہ پینل کے لئے ناموں کو طے کرنے کا عمل اپنے آخری مرحلہ میں ہے اور کچھ وقت بعد وہ اس ایشو پر زیادہ جانکاری دیں گے۔ آنے والے دنوں میں ہندوستان میں پھانسی کے ذریعہ دی جانے والی سزائے موت پر روک لگ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی حکومت نے 2/مئی کو سپریم کورٹ میں ایک اہم بیان دیا ہے۔ مرکزی حکومت نے کہا ہے کہ وہ پھانسی کے ذریعہ دی جانے والی سزائے موت کو بدلنے پر غور کر رہی ہے۔ ساتھ ہی مرکز کا کہنا ہے کہ وہ اس کے لئے ایکسپرٹ کمیٹی کی تشکیل پر غور کر رہی ہے موجودہ طریقوں کا جائزہ لے گی۔ دراصل ایڈوکیٹ رشی ملہوترا نے 2017 میں ایک مفاد عامہ عرضی داخل کی تھی۔ اس عرضی میں کہا گیا تھا کہ پھانسی کی سزا کی جگہ موت کے لئے کم دردناک طریقے پر غور کیا جانا ضروری ہے۔ عرضی پر سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے گزشتہ 21 مارچ کو کہا تھا کہ وہ پھانسی کے ذریعہ موت کی سزا دیئے جانے پر غور وخوض کر سکتی ہے۔ عدالت نے اس سلسلے میں مرکز سے موت کی سزا الگ الگ طریقوں پر بہتر ڈاٹا دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں اٹارنی جنرل وینکٹ رمانی نے عدالت سے کہا کہ سزائے موت کے لئے پھانسی کے متبادل پر غور کرنے سے متعلق مجوزہ پینل کے لئے ناموں کو طے کرنے کا عمل اپنے آخری مرحلہ میں ہے اور کچھ وقت بعد وہ اس ایشو پر زیادہ جانکاری دیں گے۔ (ایجنسی)

ٹی بی کے مریض کی معلومات دینے پر انعام

مرکزی حکومت 2025ء تک 'ٹی بی فری انڈیا' بنانے کے مقصد سے کئی اسکیمیں چلا رہی ہے۔ اس مہم کو مزید تقویت دینے کے لئے حکومت نے ٹی بی کے مریضوں کے بارے میں معلومات دینے والوں کو پانچ سو روپے بطور انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہر مریض کی جلد از جلد شناخت ہو سکے اور اسے مناسب علاج فراہم کیا جا سکے۔ کٹیہار ضلع تپ دق افسر ڈاکٹر رضوی نے بتایا کہ اس کے لئے محکمہ صحت سنجیدگی اور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ ٹی بی کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے اجتماعی عزم کے ساتھ زمینی سطح پر کام کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں جس میں صحت کارکنوں کے ساتھ ساتھ عام لوگوں سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ وہ ٹی بی سے پاک ہندوستان مشن کی کامیابی کے لئے تعاون کریں تاکہ ٹی بی سے پاک ہندوستان کا خواب پورا ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ ضلع میں ٹی بی کے خاتمے کے لئے بھرپور مہم چلائی جائے گی تاکہ ٹی بی کا کوئی مریض علاج سے محروم نہ رہ سکے (آئی این این)

طب وصحت

پرسکون نیند کا راز!

صبح بیدار ہونے کے بعد آپ کو اپنا جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہو اور شدید سستی اور تناؤ کا احساس بھی غالب ہو تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی نیند پوری نہیں ہو رہی ہے۔ پوری دنیا میں کروڑوں افراد کو نیند کی کمی کے مسئلے کا سامنا ہے۔ ماہرین کی رائے میں جوان افراد کے لئے سات سے آٹھ گھنٹے نیند ضروری ہے۔ آج کل مصروفیت اس قدر ہے کہ نیند کے لئے بھی وقت میسر نہیں۔ رات کو دیر تک جاگنے اور صبح جلدی اُٹھنے کی وجہ سے کئی امراض جنم لے رہے ہیں۔ صبح سویرے دفتر جانے کی جلدی اور رات کو دیگر مصروفیات کی وجہ سے نیند کا وقت کم ہو کر چھ گھنٹے یا اس سے بھی کم ہو گیا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر نیند پوری نہ کی جائے تو فوری طور پر تو اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے شدید اثرات کچھ عرصہ کے بعد نمودار ہونا شروع ہوتے ہیں۔

ان میں مسلسل تھکن کا احساس اور طبیعت میں بھاری پن محسوس ہونا شامل ہے۔ نیند پوری ہو جانے کی تصدیق کرنے کے لئے ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ کی آنکھ صبح خود ہی کھل جاتی ہے اور تازہ دم بیدار ہوتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی نیند پوری ہو رہی ہے اگر گھڑی کے زوردار الارم کے بغیر آپ کی آنکھ نہیں کھلتی تو یقین کر لیجئے آپ کی نیند پوری نہیں ہو رہی ہے۔ نیند کے بارے میں بہت سے افراد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جتنی دیر چاہیں جاگ سکتے ہیں۔ اس کے لئے وہ چائے، کافی، سگریٹ اور دیگر اشیاء کا سہارا لیتے ہیں، بھرپور نیند انسانی صحت کے لئے لازمی ہے۔ اس کی طرف سے لاپرواہی کا یہ رویہ سخت خطرے کا سبب بن سکتا ہے۔ نیند کی کمی کئی بیماریوں کا سبب بن سکتی ہے۔ امریکی ڈاکٹروں نے یہ ریسرچ کی ہے کہ نیند پوری نہ ہونے سے جو ڈپریشن پیدا ہوتا ہے اس کی کئی نشانیاں ہیں۔ خوراک کی عادت میں تبدیلی، طاقت کی کمی، توجہ میں کمی، بے دلی، لاتعلقی، سستی، عام روزمرہ کے کاموں میں عدم دلچسپی، صنفی کمزوری، موت کا خوف سوار ہو جانا۔

یہ مسئلہ اس قدر عام ہوتا جا رہا ہے کہ امریکی کانگریس کو ایک کمیشن تشکیل دینا پڑتا ہے جو اس مسئلے کے مختلف اور متعدد اسباب اور ان اسباب سے پیدا ہونے والے نتائج کا مطالعہ کرے گا۔ یہ کمیشن امریکہ کے لئے پالیسی برائے خواب کی سفارش کرے گا۔

نیند پوری نہ ہونے کے نتیجے میں اکثر افراد سارا دن جمائیاں لیتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دھندلی دھندلی سی رہتی ہیں۔ بے خوابی یا کم خوابی مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں پر بُرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ مثلاً حساب کی جانچ پڑتال کرنے والے غلطیوں کا ارتکاب زیادہ کرتے ہیں۔ ٹیچر طالب علموں کو زیادہ ڈانٹتے ہیں۔ مصور، ادیب وشاعر اور موسیقار تخلیقی لمحوں یا آمد کی کیفیت پیدا کرنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔

بے خوابی یا نیند کے مسائل کی وجہ سے موٹر گاڑیوں کے حادثات ہو سکتے ہیں۔

علاج: ٹھیک سے نیند نہ آتی ہو تو اس کی وجہ بعض لازمی مقویات کی کمی ہو سکتی ہے۔ ان مقویات کی کمی کے باعث تھکن، دباؤ، اضمحلال یا تشویش محسوس ہوتی ہے۔ ایک ماہرِ غذا نے بعض ایسی غذائیں تجویز کی ہیں جو مندرجہ بالا کیفیتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ضرورت کے مطابق نینداور آرام کے حصول میں مدد دے سکتی ہیں۔

دلیہ اور روٹی: دلیہ کے استعمال سے ڈپریشن میں کمی واقع ہوتی ہے اور نیند کا انداز بہتر ہو جاتا ہے۔ سونے سے پہلے تھوڑا دلیا کھا لیا جائے تو بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ دلیے میں غذائیت بہت ہے اور چکنائی بہت کم۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ نشاستے سے سیروٹونین نامی کیمیائی مادے میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے مزاجی کیفیت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

سیروٹونن ہارمون ذہنی اور جسمانی آرام پہنچا کر نیند کے حصول میں آسانی کرتا ہے۔ روٹی میں بھی سیروٹونین بڑھانے والا نشاستہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وٹامن بی کمپلیکس بھی ہوتا ہے۔ ان دونوں کی مشترکہ خاصیت سکون بخش اثرات مرتب کرتی ہے۔

خشک خوبانی: خوبانی میں میگنیزیئم بھی کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ بے خوابی کے دوران ٹانگوں میں بے چینی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ بے چینی میگنیزیئم کی کمی کی نشاندہی کرتی ہے لہٰذا میگنیزیئم والی غذا کے استعمال سے بے چینی میں کمی اور نیند بہتر ہو جاتی ہے۔

روغنی مچھلی: روغنی مچھلیوں میں کیلسیم خوب ہوتا ہے اگر اپنی غذا میں ہم روغنی مچھلی کو مناسب مقدار میں شامل کریں تو تشویش کے باعث پیدا ہونے والی بے خوابی میں کمی آ سکتی ہے۔

کیلا: کیلے میں پوٹاشیم زیادہ ہوتا ہے۔ اعصاب کی کارکردگی کے لئے بعض معدنی جز نہایت اہم ہیں۔ پوٹاشیم کی کمی سے اضمحلال پیدا ہوتا ہے جو بے خوابی کا باعث بنتا ہے۔

اسٹرابیری: اس میں وٹامن سی اور پوٹاشیم پایا جاتا ہے۔ پوٹاشیم کی کمی ذہنی دباؤ کا سبب بنتی ہے۔ پوٹاشیم والے پھل دماغی سکون کے لئے مفید ہیں۔

تِل: یہ پروٹین کے حصول کا اچھا ذریعہ ہے۔

اس میں اینٹی آکسیڈیشن وٹامن اور کیلشیم بھی خوب ہوتا ہے۔ کیلشیم کی کمی بے خوابی کا سبب ہو سکتی ہے۔ نیند کی کمی کے مسئلے سے دوچار افراد کے لئے تِل مفید ہیں۔

میوے کی گری: اس میں وٹامن بی پروٹین اور سیلینیم کی مقدار بہت ہوتی ہے۔ سیلینیم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے مزاجی کیفیت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دباؤ میں کمی آتی ہے۔ میوے گری (مغزیات) میں پروٹین بھی خوب ہوتا ہے۔ اگر جسم میں پروٹین کی کمی ہو تو تشویش اور اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ گری میں ایسے امینو ایسڈز بھی پائے جاتے ہیں جو جسم میں سکون بخش کیمیائی مادہ پیدا کرتے ہیں۔ گری میں جست بھی کافی ہوتا ہے۔

Volume:63/73,Issue:18 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

To

اوروں پہ معترض تھے، لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا (اکبرالٰہ آبادی)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

باصلاحیت افراد کی حوصلہ افزائی کیجئے

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سیرت نبویہ ؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ داری کا کام اکثر نوجوانوں ہی کے سپرد کیا جاتا تھا۔اس کی متعدد نظیریں تاریخ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ جب کسی قبیلے نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ذہین وفطین نوجوان کو اس کا سردار مقرر کیا۔ اصل میں معیار یہ تھا کہ اسلامی اصول وشریعت سے کون زیادہ واقف ہے؟ نماز پڑھانے کے لئے قرآن کی سورتیں کس کو زیادہ یاد ہیں؟ کون اپنے نئے دین سے زیادہ جوش اور دلچسپی کا اظہار کرتا ہے؟ اور یہ صفتیں عموماً نوجوانوں میں پائی جاتی ہیں۔عموماً نوجوان مدینہ آکر زیادہ تیزی سے قرآنی سورتیں حفظ کر لیتے تھے۔ دیگر امور، مثلاً دولت، وجاہت وتجربہ زیادہ پیش نظر نہیں رہتا تھا۔ایک صحابی عمرو بن سلمہ الجرمی کا بیان ہے کہ ان کے والد سلمہ الجرمی اور ان کے قبیلے کے کچھ لوگ نبی پاک ؐ کے پاس آئے، اسلام قبول کیا اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ تب انھوں نے کہا: ’’یارسول اللہ ؐ! ہمیں نماز کون پڑھائے گا؟ آپ ؐ نے فرمایا: ’’جس نے سب سے زیادہ قرآن یاد کیا ہو، وہ نماز پڑھائے۔ جب سارے لوگ واپس آئے تو انھیں مجھ سے زیادہ قرآن یاد کرنے والا نہیں ملا، چنانچہ میں نے نماز پڑھانی شروع کردی۔ابوداؤد، نسائی، ترندی)

مدینہ ہجرت کر کے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے سامنے ایک چبوترہ بنادیا، جس پر سائبان بھی تھا، اُسے صفہ کہتے تھے۔ دن کو یہ مدرسہ (بلکہ جامعہ) بن جاتا تھا اور رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ۔ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیا کرتے تھے؛ لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا، یہ کام نوجوان رضا کاروں کے سپرد تھا۔ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد بدر کی جنگ پیش آئی اور مکہ کے قیدیوں کا فدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقرر فرمایا کہ ہر شخص مدینے کے دس دس مسلمان بچوں کو پڑھنا سکھائے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا، اور ان کی ذہانت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فارسی، حبشی، یونانی اور عبرانی زبانیں بھی اپنے شوق سے مدینے آنے والے مسافروں سے چندروز میں سیکھ لیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عبرانی سیکھنے کا حکم دیا تو ۱۵/دن میں اس میں مہارت پیدا کر لی، تاکہ یہودیوں سے خط وکتابت میں اسلامی محکمۂ خارجہ کسی غیر مسلم یہودی کا محتاج نہ رہے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کے علاوہ دیگر کاتب بھی اکثر نوعمر تھے۔ حضرت علی ؓ، حضرت معاویہ ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ وغیرہ سب نوجوان لوگ تھے۔اس سے بڑھ کر اہم اور ذمہ داری کے کام بھی کثرت سے نوجوانوں کے سپرد کیے جاتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید ؓ کو بارہا فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ جنگ خیبر میں حضرت علی ؓ کی عمر مشکل سے ۲۵/سال کی ہوگی۔ انھیں ایک بہت بڑے معرکے کا افسر بنایا گیا۔اس کے بعد کے برسوں میں انھیں گورنر اور قاضی جیسے عہدے بھی دیئے گئے۔ حضرت عمرو ؓ بن حزم اور حضرت معاذ ؓ بن جبل بھی بہت نوعمر صحابہ تھے۔انھیں تین اہم صوبے کا علی الترتیب گورنر اور انسپکٹر جنرل تعلیم بنایا گیا۔حضرت معاذ ؓ کے متعلق مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ ’’ان کا یہ کام تھا کہ گاؤں گاؤں اور ضلع ضلع دورہ کریں اور وہاں تعلیم کی نگرانی اور بندوبست کریں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی صلاحیتیں دیکھ کر مختلف نوجوانوں کو ایک فنی تخصیص کا موقع دیا۔چنانچہ حضرت زید بن ثابت ؓ حساب کے بھی ماہر تھے۔اس لئے انھیں تقسیم ترکہ کے ریاضیاتی فن کا امام قرار دیا، کسی کو فن تجوید اور قرأت کا ماہر، کسی کو عام مسائل اور فقہ کا مستند عالم قرار دیا اور حکم دیا کہ جس کسی کو ان فنون کے متعلق کچھ پوچھنا ہو تو ان ماہرین سے پوچھ لے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیرانِ خاص بھی اکثر نوجوان تھے۔ایک حضرت ابوبکر ؓ کو چھوڑ کر، جو آنحضرت ؐ کے تقریباً ہم عمر تھے، باقی تمام اکابر صحابہ حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت بن الجراح ؓ سب ہجرت کے وقت نوعمر تھے۔ حضرت ابن عمر ؓ، حضرت ابن عباس ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ وغیرہ کی عمر تو اور بھی کم تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب احکام قرآن ہر امر میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، جس کا منشا نوجوانوں کی تربیت تھا۔وہ واقعات اور گتھیوں سے واقف ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو آخر میں سنتے اور اس طرح آئندہ اہم کاموں کے لئے تیار ہوتے جاتے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی شخص کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے نہ پایا۔‘‘ (امام شافعی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے) اور یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشورے سے مستغنی تھے؛ لیکن حضور ؐ کا منشا یہ تھا کہ اپنے بعد آنے والے حاکموں کے لئے ایک سنت چھوڑ جائیں۔انتظام مملکت اور سیاست مدن کے لئے جہاں بہت سے عام ادارے (گورنری، عدالت، تحصیل مال گزاری وغیرہ) قائم ہوئے، وہیں شہروں اور قبیلوں کا اندرونی نظام بھی درست کیا گیا۔ ہر گاؤں یا بڑے شہر کے محلے میں ہر دس دس آدمیوں پر ایک ’عریف‘ مقرر ہوا تھا اور جملہ مقامی ’عریفوں‘ کا ایک نقیب ہوتا جو براہِ راست عامل (گورنر) کے پاس جواب دہ ہوتا۔عریف کا کام عموماً نوجوانوں کو دیا جاتا اور وہ بڑی مستعدی اور پھرتی سے اپنے فرائض بجالاتے۔ ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کے متعلق ہزاروں ہی آدمیوں سے رائے لینی تھی۔ یہ کام عریفوں نے دیکھتے ہی دیکھتے انجام دے دیا۔اور نتیجہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادیا۔

حوصلہ افزائی کے لئے نوجوانوں کو شاباشی اور انعام واکرام کی بھی کمی نہ تھی۔ اور نوجوانوں کی تربیت پر توجہ کرنا ہی وہ راز معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم جس نے ابتدائے آفرینش سے کبھی حکومت کا نام نہ سنا تھا، وہ ۱۵-۲۰ سال ہی میں جب تین براعظموں کی مالک بن جاتی ہے تو ایسے اچھے مدبر اور سپہ سالار اور منتظم افسر بھی مہیا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے جن پر تاریخ انسانیت فخر کرسکتی ہے۔آج تہذیب وتمدن کے دعویدار اور کمالات انسانی کے مالکوں میں سے کون سی قوم ہے جو اس اسلامی نظریے کا جواب پیش کرسکتی ہو کہ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں جب ایک شہر پر قبضہ ہوا اور حسب معمول شہریوں سے حفاظتی ٹیکس وصول کیا گیا لیکن جلد ہی جنگی ضرورت سے شہر کا تخلیہ کر کے اسلامی فوج کو وہاں سے ہٹ کر آنا پڑا، تو جملہ حفاظتی ٹیکس شہریوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ اب ہم تمہاری حفاظت کے قابل نہیں ہیں اور ہمیں یہ رقم رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ آج مہذب سے مہذب قوموں میں سے کون اس نظیر کا جواب پیش کرسکتی ہے کہ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں ایک محصور شہر کے لوگوں نے بعض سابقہ تعلقات کی بنا پر محاصر کنندہ فوج کے ایک غلام سے امن نامہ حاصل کرلیا اور فوج کا سپہ سالار مجبور ہوگیا کہ اس مسلمان کی بات کا پاس رکھے خواہ وہ کتنا ہی کم حیثیت اور ادنی مرتبے کا غلام ہی کیوں نہ ہو۔اصل میں اعلیٰ تعلیم اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی اعلیٰ تعمیل۔ اسلام نے اوسط انسانوں کی قابلیت کا لحاظ کر کے قواعد بنائے اور ان کی انتہائی تعمیل ادنیٰ اور اعلیٰ سب سے کرائی۔ ان احکام کا بادشاہ وقت بھی اتنا ہی پابند ہے جتنا کوئی غلام۔ ایثار اور فرشتہ سیرتِ اعمال کی تعریف تو کی، مگر ویسا کرنا کسی پر واجب نہیں کردیا۔ یہ اصول اسلامی تعلیم کے ہر جز میں نظر آئے گا۔

جسمانی کھیلوں کی حوصلہ افزائی اور چستی پیدا کرنے کے لئے جہاں ذہنی تربیت کی ضرورت پڑتی ہے، وہیں جسمانی ریاضت بھی ناگزیر ہوتی ہے۔اس لئے یہ سوال دلچسپ ہے کہ عہد نبوی میں اسپورٹس کی کس حد تک سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، عرب میں خاص کر حجاز میں تیرنے کی ضرورت کم پڑتی ہے۔اس کے باوجود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمری میں اپنے ننھیال کے کنویں میں تیرنا سیکھا تھا اور اس کی اوروں کو ترغیب بھی دیتے رہے۔ کشتی کا فن بھی اس ضمن میں بیان ہوسکتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُکانہ پہلوان کو مسلسل تین بار کشتی میں پٹخنا تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ مدینہ میں بھی آپ اس کی اکثر سرپرستی فرماتے تھے۔ جنگ اُحد کے موقع پر چند نوعمر رضا کاروں کو کشتی لڑنے میں ماہر ہونے کے باعث، باوجود کم عمر ہونے کے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ دوڑ کے سلسلے میں آدمیوں کی، گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کی دوڑ سب سے زیادہ مقبول تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خود انعام دیا کرتے تھے۔تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ گھوڑوں کے لئے الگ الگ مسافتیں مقرر تھیں۔ وہ مقام اب تک مدینہ منورہ میں محفوظ ہے جہاں سے شرط کے گھوڑے وغیرہ روانہ ہوتے تھے، اور وہ مقام بھی جہاں کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیتنے والے کا تعین کرتے تھے۔اس آخر الذکر مقام پر اب ایک مسجد ہے جو مسجد السبق (دوڑ کی مسجد) سے موسوم ہے۔ دوڑ میں انعام اول، دوم، سوم، چہارم متعدد افراد کو ملتے تھے۔ کبھی انعام میں کچھ کھانے کی چیزیں، مثلاً کھجور اور کبھی کوئی اور چیز ہوتی تھی جس کی تفصیل سیرت میں ملتی ہے۔ نشانہ اندازی کے انعامات اور اس کی ترغیب وتحریص کا ذکر کثرت سے احادیث میں آیا ہے۔ ابن القیم نے اپنی کتاب الفروسیہ میں ذکر کیا ہے کہ علاوہ اور چیزوں میں مسابقت کے، عہد نبوی میں وزنی پتھر اُٹھانے کے بھی مقابلے ہوا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے روا رکھتے تھے۔ نیزہ بازی (وِرگلہ) کے علاوہ عہد نبوی میں کجّہ اور کُرک کھیلوں کا بھی نوعمروں میں رواج نظر آتا تھا۔

☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔ **رابطہ اور واٹس اَپ نمبر 9576507798**
A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ **www.imaratshariah.com** پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔(**محمد اسعداللہ قاسمی منیجر نقیب**)

WEEK ENDING-15/05/2023, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب قیمت فی شمارہ -/8 روپے ششماہی -/250 روپے سالانہ -/400 روپے